دینی، علمی، فکری و اصلاحی

مجلہ

الشارق

نومبر، دسمبر ۲۰۲۲ء

زیر سرپرستی

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

جامعہ اسلامیہ مظفرپور ضلع اعظم گڑھ یوپی

فہرست مطبوعات مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی

نمبر شمار	اسمائے کتب	جلد
1	الجامع الصحیح للامام البخاری بحاشیۃ المحدث السھارنفوری مع المقارنۃ بعشر نسخ (طبع: بیروت) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱۵/جلد
2	الجامع الصحیح للامام البخاری بحاشیۃ المحدث السھارنفوری مع المقارنۃ بعشر نسخ (طبع بیرت) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۶/جلد
3	الجامع الصحیح للامام البخاری بحاشیۃ المحدث السھارنفوری مع المقارنۃ بعشر نسخ (ہندوستانی نسخہ) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۶/جلد
4	الابواب والتراجم ، طبع: بیروت (تحقیق: ڈاکٹر ولی الدین ندوی)	۵/جلد
5	الابواب والتراجم ، طبع: ہندوستان (تحقیق: ڈاکٹر ولی الدین ندوی)	۵/جلد
6	أوجز المسالک إلی موطا مالک (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱۸/جلد
7	بذل المجھود فی حل أبی داود (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱۴/جلد
8	لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱۰/جلد
9	الجامع الکبیر (الکوکب الدری) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۹/جلد
10	شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱/جلد
11	تنسیق النظام (تحقیق: ڈاکٹر ولی الدین ندوی)	۳/جلد
12	المواھب اللطیفۃ (طبع بیروت) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۷/جلد
13	المواھب اللطیفۃ (ہندوستانی نسخہ) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۷/جلد
14	إزالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۵/جلد
15	ظفر الأمانی (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱/جلد
16	التعلیق الممجد (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۳/جلد
17	أعلام المحدثین	۱/جلد

مندرجہ بالا کتابیں حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں۔ واٹس ایپ نمبر: 8795565555

موبائل: 9450876465, 9532829745

دینی، علمی، فکری و اصلاحی

مجلہ الشارق

جلد ۲۵ | شمارہ ٦

دوماہی

نومبر، دسمبر ۲۰۲۲ء
جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ۱۴۴۴ھ

مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی
معاون
مولانا خطیب الرحمن ندوی

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر فرید الدین ندوی
صلاح الدین ندوی

مجلسِ مشاورت
مولانا عمیر الصدیق ندوی
مولانا فیروز اختر ندوی

خط وکتابت کا پتہ
جامعہ اسلامیہ
مظفر پور ضلع اعظم گڑھ یوپی پن کوڈ ۲۷۶۳۰۲

پرنٹر پبلشر
مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی
طبع شدہ مونارک پریس جونپور ★ تزئین: مشتاق احمد غازیپوری

زرِ تعاون
سالانہ ـــــــ ۹۰/روپے
اس شمارے کی قیمت ـــــ ۱۵/روپے
بیرونِ ملک ـــــــ ۷/ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ .... سے آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

فہرست مضامین

۱	اداریہ اشراقات	عمیر الصدیق ندوی	۳
۲	مولانا حجؒ حج	حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ	۶
۳	رجال القرآن اور فہم القرآن	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۱۰
۴	گوشۂ سیرت اسلام علم نافع اور عمل صالح کا داعی	حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی	۲۰
۵	افادات پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام	حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ	۲۸
۶	مکتوب تعزیت.....	بقلم: حضرت ناظم اعلیٰ صاحب	۳۷
۷	مکتوب تعزیت.....	بقلم: حضرت ناظم اعلیٰ صاحب	۴۰
۸	رسم اجراء ''عرفان محبت'' کے جدید نسخہ کا اجراء	حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی	۴۴
۹	جامعہ کے کتب خانے سے بعض اہم جدید مطبوعات	خطیب الرحمٰن ندوی	۵۱
۱۰	کتابوں کی باتیں تعارف وتبصرہ	خطیب الرحمٰن ندوی	۵۳
۱۱	جامعہ کے شب وروز اخبار جامعہ	صلاح الدین ندوی پرتاپ گڑھی	۵۵

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اداریہ

عمیر الصدیق ندوی

اشراقات

۱۲؍مارچ ۲۰۲۳ء کو ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے سالانہ مشاورتی اجتماع میں حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی کا خطبہ یا رپورٹ، مولانا کی موجودگی میں مولانا سید بلال عبدالحیٔ حسنی پیش کر رہے تھے، حضرت مولانا موجود تھے، دیکھنے اور سننے والے اس وقت کیا جانتے تھے کہ بزم کے صدر نشیں کو وہ آخری بار دیکھ رہے ہیں، پیرانہ سالی کے عوارض کے باوجود بظاہر حضرت مولانا صحت مند ہی نظر آ رہے تھے، چند دنوں کے بعد رمضان المبارک کی آمد آمد تھی، حضرت مولانا حسب معمول تکیہ رائے بریلی تشریف لے گئے اور پھر اچانک ان کی طبیعت کے ناساز ہونے کی خبریں آنے لگیں اور چند ہی دنوں بعد ۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳؍اپریل ۲۰۲۳ء کو وہ اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور حاضر ہو گئے، اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

حضرت مولانا کا دنیا سے رخصت ہونا کوئی ناقابل تصور واقعہ نہیں، ہر متنفس کے لیے اس دنیوی زندگی کو کسی نہ کسی وقت خیر باد کہنا ہی ہے، موت تو سب کے لیے ہے لیکن ایک بیٹے کے لیے باپ کا جانا، خاندان والوں کے لیے ان کے سرپرست کا اٹھ جانا اور امت کے لیے اس کے رہنما کا رخصت ہو جانا، گویا ان کا ٹوٹ جانا، حوصلوں کا پست ہو جانا اور زندگی کے میدان میں دب جانا ہے وہن، ضعف، استکانت یہ بشری تقاضوں کے تحت قرآنی کیفیات کے اشارے ہیں، ہمارے مولانا کے جانے کے بعد ایسے احساسات کا ہونا غیر فطری نہیں کہا جا سکتا، ان احساسات سے چھٹکارا صرف صبر کے عمل کے ذریعہ ہی ممکن ہے کہ آزمائش میں ڈالنے والی ذات کو یہی پسند ہے، **واللہ یحب الصابرین۔**

ہمارے مولانا کو وفات پائے ہوئے اب ڈیڑھ دو مہینے ہو رہے ہیں، لیکن اس عرصہ میں کوئی دن امت کی

زندگی میں ایسا نہیں گزرا کہ مولانا کی یاد اور ان کے ذکر نے بعث اور احیائے بعد الموت کا مفہوم واضح نہ کیا ہو، یا دوسرے الفاظ میں اس زندگی کا تسلسل نہ ہو جس کا ہر لمحہ دوسروں کی فکر و فلاح، دوسروں کی غمخواری اور خیر خواہی اور دوسروں کے لیے دعا والحاح وزاری کے لیے وقف تھا، اپنی ذات کی نفی اور ماسوا کے اثبات کی مثالیں یکسر عنقا نہیں کہی جاسکتیں، لیکن بڑی حد تک یہ نایاب ضرور ہیں، ہمارے مولانا کی شخصیت کا شمار ایسے ہی نایاب وجود میں تھا کیا وجود تھا؟ معلّمی و مدرسی کے اولین نقوش سے زندگی کی داستان شروع کرنے والے کا مصنف ومؤلف ومترجم کے مرحلوں کو پار کرتے ہوئے ندوہ جیسے عالمی تعلیمی ادارہ کا سربراہ بننا، ملک کے کروڑوں باشندوں کے سب سے بڑے قانونی ادارہ کا صدر بننا اور بے شمار علمی، ادبی، تعلیمی اور ثقافتی تنظیموں کی سرپرستی کرنا اللہ رب العزت کا وہ کرم ہے جو کسی بھی وجود کو غیر معمولی بنا دیتا ہے، اس کرم واحسان کا بجائے خود تقاضہ ہے کہ مولانا کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے، یہ مطالعہ کیا بھی جائے گا، ان کے ہم عصر تو کم ہی ہیں مگر ان کے تلامذہ اور ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے والے بے شمار ہیں، جن کے تاثرات کا سلسلہ اس طرح جاری ہے کہ ماضی میں ایسی مثال کم ہی ملتی ہے، ان سب کے تاثرات میں مولاناؒ کی جو صفت، قدر مشترک کی حیثیت سے نمایاں ہے، وہ ہے مولانا کا تواضع، خاکساری، فروتنی، کسر نفسی بلکہ بے نفسی، اس صفت نے شہرت طلبی اور خودنمائی اور آج کے دور میں اپنی شخصیت کے اظہار کے لیے وسائل ابلاغ کے بے محابا استعمال سے دور رکھ کر ان کو ایسی محبوبیت ومقبولیت عطا کی جس کا اندازہ شاید پہلے کسی کو نہ تھا، مولانا کی علمی، تعلیمی، ملی، سماجی اور ذاتی زندگی پر بہت کچھ کہا اور لکھا جائے گا، لیکن سب کا سرعنوان لفظ تواضع ہی رہے گا، مولانا نے کہیں فرمایا تھا کہ ''مولانا سید حسین احمد مدنی کی شخصیت میں عبدیت اور چھوٹی بڑی سنتوں کا ظاہری و باطنی اہتمام بہت نمایاں اور غیر معمولی تھا لیکن مولانا مدنی کے جس وصف نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہی وصف تواضع تھا''، تواضع اصلاً نفس کی تہذیب وتادیب کا عنوان ہے، ہمارے مولاناؒ فرماتے تھے ہندوستان کے علماء ومشائخ کی صحبتیں اسی کیمیا سے کندن بنانے کا کارخانہ تھیں، جو متواضع ہوتا ہے اس سے ظلم اور دلآزاری کا عمل سرزد ہی نہیں ہوسکتا، یہ سبق ہمارے مولاناؒ کو اُن کی والدۂ محترمہ سے حاصل ہوا، انہوں نے لکھا بھی کہ آج جو کچھ بھی حاصل ہے اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے احساس کے ساتھ یہ کہنے میں تامل نہیں کہ یہ سب والدہ صاحبہ کی دعاؤں اور صبر کا صلہ اور نتیجہ ہے، یہ تربیت اور ساتھ ہی فطرت کو سلیم رکھنے کی چاہت تھی، جس نے ندوہ کے مہمان خانہ کے چھوٹے چھوٹے چند کمروں کو مرجع خلائق بنا کر بڑے بڑے ایوانوں اور بلند وبالا عمارتوں کو یہی پیغام دیا تھا کہ محبت کی جہانگیری، نگہ کی بلندی، سخن کی دلنوازی اور جاں کی پُرسوزی سے ملتی ہے، اس کے لیے زبان ودل کی رابعیت درکار ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع ندویؒ اور حضرت مولانا تقی الدین ندوی اور جامعہ اسلامیہ اور رسالہ ''الشارق''، یہ چاروں، محبت وفدائیت بلکہ عقیدت وفنائیت کی عمارت کے وہ ستون ہیں، جن کا ذکر شاید آنے والے زمانوں میں عرصہ دراز تک کیا جاتا رہے گا، جامعہ کی تاسیس سے اس کی ترقی کے ہر مرحلہ پر مولانا سید محمد رابع ندویؒ کے انفاس قدسیہ کی خوشبو، بانیٔ جامعہ دامت برکاتہم کے مشام جاں کو معطر کرتی رہی، سیمنار ہوں، جلسے ہوں، سنگ بنیاد ہو یا افتتاح ہو، ہر موقع، تجدید محبت کا عنوان بنتا رہا،، مولانا یہاں پر اسی طرح نشیط رہتے جیسے ندوہ کی فضائیں ان کے لیے نشاط روح کا سبب بنتیں، یہ غایت محبت نہیں تو اور کیا ہے کہ بانیٔ جامعہ مدظلہ کی قریب ڈیڑھ درجن اردو عربی کتابوں پر ہمارے مولانا مرحوم کا مقدمہ یا پیش لفظ، تحسین وتبریک کے جذبات، لفظوں میں ڈھالتا رہا، ان دو بزرگوں کے تعلقات کا مطالعہ اور تجزیہ آج کے دور میں خاص طور پر کیا جانا چاہئے، جہاں ایک طرف بانیٔ جامعہ، ندوۃ العلماء کے ہر معاملہ میں ہمارے حضرت مولاناؒ کی جلوت وخلوت میں تنہا شریک نظر آتے ہیں، وہیں بانیٔ جامعہ کی محبت وعقیدت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جامعہ کا ناظم وہی ہوگا جو ندوہ کا ناظم ہوگا، من تو شدی، تو من شدم کی اس سے بڑھ کر ترجمانی اور کیا ہوگی، یہی نہیں، ۲۰۲۱ء میں حضرت مولاناؒ نے حضرت بانیٔ جامعہ کو حدیث شریف کی ساری اجازتیں سپرد کردیں اور خاص طور پر وہ سند اجازت جو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے تکیہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو عطا فرمائی تھی، یہ ساری اجازتیں اور سندیں ہمارے مولاناؒ نے حضرت بانیٔ جامعہ کو منتقل کردیں اور اس طرح یہ تمغۂ قربت واتحاد مزاج ونیت عطا کرتے ہوئے گویا یہ فرمایا کہ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را نہ دانم حساب کم و بیش را

اس کی تفصیل تو ان شاء اللہ حضرت بانیٔ جامعہ کے قلم سے ''تعمیر حیات'' کے خاص نمبر میں آنے کی امید ہے، الشارق نے بھی ارادہ کیا ہے کہ اس کا آئندہ شمارہ ان شاء اللہ حضرت مولانا ندویؒ کی یادوں اور ان کے ذکر اور ان کے افادات کے لیے خاص ہوگا۔ حضرت مولاناؒ کے شاگردوں اور ان کے فیض یافتگاں، الحمدللہ جامعہ اسلامیہ میں کم نہیں، جی چاہتا ہے کہ یہ سب مولانا کی عنایتوں، محبتوں اور توجہات میں جو اُن کو بحیثیت شاگرد ملتی رہیں، ان میں دوسروں کو بھی شامل کریں۔

حج

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ (آل عمران:۹۷)۔

حج اسلام کی عبادت کا چوتھا رکن اور انسان کی خداپرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریقہ ہے، اس کے لفظی معنی ''قصد وارادہ'' کے ہیں، اور اس سے مقصود خاص مذہبی قصد وارادہ سے کسی مقدس مقام کا سفر ہے، لیکن اسلام میں یہ ملک عرب کے شہر مکہ میں جا کر وہاں کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگانے اور مکہ کے مختلف مقدس مقامات میں حاضر ہو کر کچھ آداب اور اعمال بجالانے کا نام ہے۔

انسانی تمدن کی ابتدائی تاریخ پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ انسانی جماعت کی ابتدائی شکل، خاندان اور خانوادہ کی صورت میں تھی، اس سے آگے بڑھی تو چند خیموں اور جھونپڑیوں کی ایک مختصر سی آبادی بنی، پھر وہ شہر کی صورت میں منتقل ہوئی، اس سے ترقی کر کے اس نے ایک قوم اور ایک ملک کا قالب اختیار کیا اور بالآخر وہ تمام دنیا پر چھا گئی۔

مکہ اس انسانی ترقی کے تمام مدارج اور مراتب کی ایک مرتب تاریخ ہے، وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے عہد میں ایک خاص خاندان کا تبلیغی مستقر بنا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ چند خیموں اور جھونپڑیوں کی مختصر آبادی کی صورت میں ظاہر ہوا، پھر رفتہ رفتہ اس نے عرب کے مذہبی شہر کی جگہ حاصل کر لی، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ اسلامی دنیا کا مذہبی مرکز قرار پایا۔

دنیا کی ابتدائی آبادی کے عہد میں یہ دستور تھا کہ ہر آبادی کے محصورانہ احاطہ میں دو خاص باعظمت مکان بنائے جاتے تھے، ایک اس آبادی کے بادشاہ کا محل یا قلعہ، اور دوسرے اس آبادی کے

کاہن کا معبد ہوتا ہے،عموماً ہر آبادی کسی نہ کسی دیوتا یا ستارہ کی طرف منسوب ہوکر اس کی حفاظت اور پناہ میں ہوتی تھی ،اور اسی محافظ دیوتا یا ستارہ کی وہاں پوجا ہوتی تھی ،اس کے بعد معبد کا صحن دارالامن ہوتا تھا، نذرانہ کی تمام رقمیں اور پیداواریں اس میں جمع ہوتی تھیں ،اور جیسے جیسے اُس آبادی کی بادشاہی اور حکمرانی بڑھتی جاتی تھی ،اس دیوتا کی حکومت کا رقبہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔ (تورات اور بابل کلدان و یونان وغیرہ کی پرانی تاریخوں اور آثار قدیمہ میں اس بیان کے شواہد ملیں گے اور میری تصنیف ''ارض القرآن'' میں اُس کے اقتباسات مذکور ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا، جہاں کلدانیوں کی آبادی اور حکومت تھی، یہاں بھی بدستور ستاروں کی پوجا ہوتی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت پاکر ستارہ پرستی کے خلاف دنیا میں سب سے پہلی آواز بلند کی اور ایک خدا کی پرستش کی دعوت دی، اُن کے خاندان اور قوم کے لوگوں نے اُن کو اس کے لیے تکلیفیں دیں اور بالآخر اُن کو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر شام، مصر اور عرب کی طرف ہجرت کرنی پڑی، یہ تمام وہ مقامات تھے جن میں سام کی اولاد پھیلی ہوئی تھی اور مختلف ناموں سے اُن کی حکومتیں قائم تھیں، آثار قومیات، لسانیات اور دوسرے تاریخی قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب کا ملک سامی اقوام کا پہلا مسکن اور پہلی آبادی تھی اور یہیں سے نکل کر وہ یمن اور خلیج فارس کے سواحل سے عراق پہونچی تھیں اور شام و فلسطین گئی تھیں اور مصر میں بکسوس یا چرواہے (بدو) بادشاہوں کے نام سے حکمراں تھیں۔

(میری تصنیف ''ارض القرآن'' جلد اول میں اُس پر مفصل بحث ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مختلف شہروں کے سفر کے بعد عرب و شام کی سرحد کا رُخ کیا، اور بحر میت کے پاس اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو آباد کیا ، اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو کنعان (فلسطین) میں بسایا، اپنے دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو حجاز کی طرف بحر احمر کے ساحل پر اُس مقام پر جگہ دی جس کو اُن کے انتساب سے آج تک مدین کہتے ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر فاران کی وادی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سکونت مقرر کی، یہ تمام مقامات وہ شاہراہ تھی جس پر سے مصر و شام سے حجاج و یمن اور حجاج و یمن سے مصر و شام آنے جانے والے تاجروں، سوداگروں اور قافلوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔

اپنی اولاد کو اس خاص سلسلہ سے آباد کرنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقصد تھے،

ایک یہ کہ تجارتی قافلوں کی آمد ورفت کی بنا پر اُس کو غلہ اور ضروری سامان کے ملنے میں تکلیف نہ ہو اور ساتھ ہی وہ بھی سوداگری میں بہ آسانی شریک ہو سکے اور دوسرا یہ کہ خدا کی خالص توحید کی تبلیغ کے لیے قوموں کے یہ گزرگاہ بہترین تبلیغی مرکز تھے، یہاں وہ عراق وشام کی جبار وقہار قوموں کے حدود سے مشہور بت پرست اور ستارہ پرست تھیں، علاحدہ رہ کر لوگوں میں دین حق کو پھیلا سکتی تھی۔

بیت اللہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دستور یہ تھا کہ جہاں کہیں اُن کو روحانیت کا کوئی خطرہ نظر آتا وہاں خدا کے نام سے ایک پتھر کھڑا کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے، چنانچہ تورات کتاب پیدائش میں اُن کی تین قربان گاہوں یا ''خدا کا گھر'' بنانے کے واقعات مذکور ہیں:

''تب خداوند نے ابرام کو دکھائی دے کے کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا، اور اُس میں وہاں خداوند کے لیے جو اُس پر ظاہر ہوا ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے روانہ ہو کے اُس نے ''بیت ایل'' (بیت اللہ) کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرہ کھڑا کیا، بیت ایل اس کے پچھّم اور عئی اس کے پورب تھا، اور وہاں اُس نے خدا کے لیے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند کا نام لیا''۔ (۱۲-۱۷-۸)

اس کے بعد ہے:

''اور وہ (ابراہیمؑ) سفر کرتا ہوا دکھن سے بیت اللہ میں اس مقام تک پہونچا جہاں اُس نے شروع میں ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں ابراہیمؑ نے خدا کا نام لیا''۔ (۱۳-۴)

پھر ایک اور جگہ پہونچے جہاں اُن کو خدا کی وحی اور برکت کا پیغام پہونچا اور حکم ہوا:

''اُٹھ اور اس ملک کے طول وعرض میں پھر، کہ میں اسے تجھ کو دوں گا، اور ابراہیم نے اپنا ڈیرہ اٹھایا اور ممرے کے بلوطون میں جو جبروں میں ہیں جا رہا، اور وہاں ایک قربان گاہ بنائی۔ (۱۳-۱۷-۱۸)

اسی قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بنائے اور آخر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی، جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا، حضرت اسحاق علیہ السلام کے حال میں ہے

کہ جہاں اُن پر وحی اور وعدہ کی بشارت نازل ہوئی:

''اور اس نے وہاں ذبح بنایا، اور خدا کا نام لیا، اور وہاں اپنا خیمہ کھڑا کیا، اور وہاں سے اسحاق علیہ السلام کے نوکروں نے کنواں کھودا''۔ (پیدائش:۲۶-۲۵)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جہاں مقدس رویا ہوئی، وہاں:

''اور یعقوب صبح سویرے اٹھا، اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا، کھڑا کیا اور اس کے سرے پر تیل ڈالا، اور اُس مقام کا نام بیت ایل رکھا، اور یہ پتھر جو میں نے ستون کھڑا کیا خدا کا گھر ہوگا، اور سب میں سے جو تو مجھے دے گا دسواں حصہ ''عشر'' تجھے (خدا کو) دوں گا۔ (۲۸-۱۸-۲۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے:

''اور اگر تو میرے لیے پتھر کی قربان گاہ بنائے، تو تراشے ہوئے پتھر کی مت بنائیو، کیوں کہ اگر تو اُس کے لیے اوزار لگائے گا تو اُسے ناپاک کرے گا، اور تو میری قربان گاہ پر سیڑھی سے ہرگز مت چڑھیو، تاکہ تیری برہنگی اس پر ظاہر نہ ہو''۔ (خروج:۲۰-۲۵-۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم کے بموجب:

''اور پہاڑ کے تلے ایک قربان گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کے لیے بارہ ستون بنائے، اور سلامتی کے ذبیحے بیلوں سے خداوند کے لیے ذبح کئے اور موسیٰ نے آدھا خون لے کے بانسوں میں رکھا، اور آدھا قربان گاہ پر چھڑکا''۔ (خروج:۲۴-۴-۶)

اوپر کے اقتباسات میں اس قسم کی تعمیر یا مکان کا ایک نام (مذبح، قربان گاہ) بتایا گیا ہے اور دوسرا بیت ایل یعنی بیت اللہ، اور خدا کا گھر، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی نسل میں اس قسم کی قربان گاہ اور بیت اللہ بنانے کا دستور تھا، اسی قسم کا وہ گھر ہے جو مکہ معظّمہ میں، کعبہ، مسجد حرام، اور مسجد ابراہیم کے نام سے آج تک قائم ہے بلکہ اس کی نسبت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کا پہلا گھر ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

رجال القرآن اور فہم القرآن

۱۳۶۷ھ میں میرے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم خاص دارالعلوم دیوبند نے وفات سے تقریباً پندرہ بیس دن قبل مجھے خلوت میں طلب فرمایا، حضرت مرحوم دار المشورہ دارالعلوم دیوبند کے شرقی برآمدے میں تشریف فرما تھے، جہاں آج میری نشست ہے، میں حسب الحکم حاضر ہوا، مجھے دیکھتے ہی غیر معمولی طور پر آب دیدہ ہوگئے، حتیٰ کہ وفور گریہ کی وجہ سے چند منٹ تک بات بھی نہیں کر سکے، مجھے پریشانی یہ ہوئی کہ کہیں مجھ سے تو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی، اس لیے میں نے کلام میں ابتدا کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھ سے تو کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے یہ تاثر ہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ مجھے یہ کہنا ہے کہ میرا وقت قریب آچکا ہے اور بہت تھوڑا وقفہ باقی رہ گیا ہے، مجھے اس وقت یہ واقعہ سنانا ہے کہ جب میں قرآن کا حافظ ہو چکا، تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ (حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند) بے حد مسرور تھے اور اس ختم قرآن کی خوشی میں شہر کے عمائد اور اعزہ واحباب کے ایک بڑے مجمع کی لمبی چوڑی دعوت کی۔

یہ دن حضرت کے لیے یوم عید بنا ہوا تھا، چہرہ خوشی سے روشن تھا اور غیر معمولی طور پر بشاش تھے، تقریب سے فارغ ہوکر مجھے خلوت میں طلب فرمایا جس طرح میں نے تمہیں اس وقت بلایا ہے اور مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میاں احمد خدا کا شکر ہے کہ تم حافظ ہوگئے، وقت آئے گا کہ تم عالم بھی ہوگے، تمہاری عزت بھی ہوگی، ملک میں تمہاری شہرت بھی ہوگی اور تمہیں دولت بھی میسر آئے گی لیکن یہ سب

چیزیں تمہارے لیے ہوں گی، قرآن میں نے تمہیں اپنے لیے یاد کرایا ہے، مجھے فراموش مت کرنا، فرمایا کہ وہ وقت ہے اور آج کا دن ہے، میرا یہ دوامی عمل ہے کہ ہمیشہ دو پارے یومیہ حضرت قبلہ کو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھتا ہوں، جو الحمدللہ آج تک ناغہ نہیں ہوئے۔

یہ واقعہ سنا کر مجھ سے فرمایا کہ میاں طیب! الحمدللہ تم حافظ ہو چکے ہو، خدا کا شکر ہے کہ عالم بھی ہو چکے ہو، وقت آئے گا کہ تمہاری عزت بھی ہوگی، شہرت بھی ہوگی اور حق تعالیٰ تمہیں دولت بھی بہت کچھ عطا فرمائے گا، لیکن یہ سب تمہارے لیے ہوگا، یہ قرآن میں نے تمہیں اپنے لیے حفظ کرایا ہے، مجھے فراموش مت کرنا۔

میں اُسی دن بلکہ اُسی وقت بلوچستان کے طویل سفر پر روانہ ہو رہا تھا، یہ واقعہ آٹھ بجے دن کا ہے اور میں دس بجے کی گاڑی سے بلوچستان روانہ ہوگیا، دل میں یہ بات جم چکی تھی اور اپنے قلب میں اس نصیحت اور وصیت پر عمل پیرا ہونے کا عزم باندھ لیا تھا، اسی سفر میں غالباً کوٹہ (بلوچستان) میں اخبارات میں پڑھا کہ حضرت مرحوم حیدرآباد دکن کے سفر پر روانہ ہوگئے، جس کا میری روانگی کے وقت مجھے تو کیا، خود حضرت مرحوم کو بھی تصور نہ تھا، اچانک ہی بمصالح دارالعلوم یہ سفر طے ہوا، اور روانگی عمل میں آ گئی۔

میں دس بارہ دن کے بعد دیوبند واپس ہوا تو اُس وقت تک حضرت مرحوم کی واپسی نہیں ہوئی تھی چار چھ دن کے بعد تار سے اچانک وفات کی اطلاع ملی، مہینہ ختم ہو رہا تھا، آنے والے مہینے کی پہلی ہی تاریخ سے میں نے حضرت مرحوم کی نصیحت بلکہ وصیت کے مطابق مغرب کے بعد اوابین میں ایک پارہ یومیہ پڑھنے اور حضرت مرحوم کو ایصال ثواب کرنے کا معمول بنالیا، جو الحمدللہ آج تک جاری ہے، اور خدا کرے کہ دم آخر تک جاری رہے۔

حوادث و واقعات عبرت و موعظت کے لیے رکھے گئے ہیں، اس واقعہ میں جہاں موعظت حسنہ کی دولت ملتی ہے، وہیں عبرت بھی ہم کنار ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ اس واقعہ سے نمایاں ہوتا ہے کہ ہر دو

نام بردہ بزرگ علمائے آخرت میں سے تھے، جنہوں نے اولاد کو قرآن کا پڑھنا پڑھانا، عادۃً یا رسماً یا منافع دنیا کی خاطر نہیں بلکہ آخرت کے لیے طے کیا تھا، اُن کا مقصد اس قرآن سے اولاد کا متمول یا صاحب ثروت وجاہ بنانا نہ تھا، بلکہ خود کو اور اولاد کو آخرت کے لیے تیار کرنا تھا، جو قرآن کے نازل ہونے کا حقیقی مقصد ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح ہے کہ ان بزرگوں کو قرآن کے ساتھ کس درجہ شغف اور تعلق تھا کہ زندگی اور موت دونوں میں اُن کے قلب اُسی کی طرف رجوع کئے ہوئے تھے، اور ہمہ وقت اسی قرآن کی حقیقی برکات سے منتفع ہونے کی فکر میں مستغرق تھے اور اپنی دنیا اور آخرت بہرحال قرآن سے وابستہ کر چکے تھے۔

اندازہ کیا جائے کہ جن بزرگوں کو قرآن کے الفاظ اور اس کی تلاوت وقراءت سے یہ غیر معمولی ربط وتعلق تھا کہ اس کے الفاظ وکلمات کی تلاوت وقراءت اور اُس کے اجر وثواب سے دنیا وآخرت کے کسی کونہ میں الگ رہنا نہیں چاہئے تھے تو اس کے معانی وعلوم، حقائق ومعارف اور کیفیات واحوال سے وہ کیسے یکسورہ سکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی عظمت ایسے قلوب پر اُترتی بھی ہے جو لفظاً ومعناً اُسی کے ہو رہیں، اسی کے لیے جئیں اور اسی کے لیے مریں، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اولین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے مستفیدین میں سے تھے، حدیث کی کئی کتابوں میں شاگرد بھی تھے، انہیں کی فرمائش پر حضرت والاؒ نے مسجد چھتہ میں درس قرآن شروع فرمایا جس میں تمام اساتذۂ دارالعلوم شریک ہوتے تھے، سورۂ بقرہ کے درس میں پہلے ہی دن حضرت والاؒ نے حروف مقطعات ''الم'' پر دو ڈھائی گھنٹہ تک تقریر فرمائی، اور عجیب وغریب علوم ومعارف کا انکشاف فرمایا کہ پڑھنے والے اساتذہ وجد میں تھے، درس ختم ہونے پر اساتذہ نے طے کیا کہ ان اسباق کا تکرار کیا جائے ورنہ یہ علوم یاد رہنے مشکل ہیں، چنانچہ دارالعلوم کی درس گاہ کلاں ''نودرہ'' میں اساتذہ کا یہ تکرار شروع ہوا، حضرت مولانا محمد یعقوب

صاحبؒ،صاحبِ تقریر طے ہوئے، جوخود جامع العلوم والکمالات تھے،اثناءتکرار میں بعض مضامین ذہن کی گرفت میں نہ آسکے اور مستحضر نہ ہوئے تو اگلے دن بعد نماز فجر جب کہ حضرت نانوتویؒ مسجد سے اپنے حجرہ کی طرف چلے،مولانا محمد یعقوب صاحب نے کھڑے کھڑے حضرت سے اُن فراموش شدہ مضامین کا اعادہ چاہا اور سوال کیا،حضرت نے کھڑے ہی کھڑے تقریر شروع فرمائی تو مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر اور جامع عالم کا مقولہ ہے کہ اُس تقریر کے نہ الفاظ اِس عالَم کے تھے نہ معانی،تو میں نے عرض کیا کہ حضرت ذرا نازل ہوکر تقریر فرمایئے،تو حضرت نے دوبارہ تقریر فرمائی،مولانا فرماتے ہیں کہ الفاظ تو سمجھ میں آتے تھے کہ اس عالَم کے ہیں لیکن مضامین قطعاً اس عالَم کے نہ تھے۔

پھر مولانا نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اور نازل ہوکر تقریر فرمایئے، ہمارے ذہن کی رسائی وہاں تک نہیں ہے،حضرت نے پھر تقریر شروع فرمائی تو مولانا فرماتے ہیں کہ اب الفاظ وتعبیرات پوری طرح سمجھ میں آرہی تھیں اور معانی بھی کچھ کچھ ذہن کے قریب آگئے تھے،لیکن بلند پایہ حقائق سے اس قدر لبریز تھے کہ ان معانی پر ذہن قابو نہیں پارہا تھا۔

تب پھر مولانا نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اور نازل ہوکر فرمایئے تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس وقت رہنے دیجئے یہ پھر کسی وقت پر رکھئے، گویا روح اس وقت اس درجہ عروج پر تھی، اور اُس پر اُس عالَم کے گہرے دقائق اس درجہ کھلے ہوئے تھے کہ وہ بیک دم نیچے اتر کر اُن عالی مضامین اور حقائق کو عام علماء کے ذہن کے قریب نہیں کرسکتے تھے اس لیے معذرت کردی۔

اس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآنی علوم وحقائق تہ بہ تہ ہیں: لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ.

حرف حرفش راست اندر معنئ معنئ در معنئ در معنئ

وہیں یہ بھی واضح ہے کہ ان علوم کے لحاظ سے علمائے قرآن کے بھی درجات ومراتب ہیں: وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عَلْمٍ عَلِيْمٌ .

بنی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید و اوستا

سمجھنے کی بات یہاں یہ ہے کہ قرآنی علوم کے یہ مراتب قرآنی شغف وعظمت کی قدر ہی سے کھلتے ہیں اور جس عالم کا جو درجہ قرآنی محبت وعظمت اور قرآن سے حب وشغف کا ہے اُس درجہ کے مطابق اُس پر قرآنی علوم کے مراتب کا انکشاف ہوتا ہے۔

میں نے مشکوٰۃ شریف اور صحیح مسلم اپنے والد ماجد سے پڑھی ہے، وہ احادیث کی تشریح قرآن کی روشنی میں جب فرماتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ہر حدیث کسی نہ کسی آیت کا ایک مستقل بیان ہے جو گویا ابھی نازل ہورہا ہے، پھر اُسی ذیل میں حکمت قاسمیہ کے لطائف ومعارف کو احادیث وآیات پر کچھ اس انداز سے چسپاں کرتے جاتے تھے جس سے حدیث وقرآن میں شرح صدر کی کیفیت محسوس ہوتی تھی اور عجیب قسم کے پُر لطف آثار قلب میں پیدا ہوتے دکھائی دیتے تھے، جو سطحی نظر سے محض آیت وروایت کی سطح سے کبھی سامنے نہیں آتے تھے، جن کی طرف بلا ان کے بیان کے کبھی ذہنی التفات نہیں ہوتا تھا، چوں کہ اُن کا قلب خود قرآن سے متاثر تھا اس لیے ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے اصول پر دوسرے قلوب بھی وہی تاثر لیتے تھے۔

مذکورہ واقعہ سے جو اس مضمون کا سرنامہ ہے واضح ہے کہ ان بزرگوں کو قرآن کے لفظ ومعنی سے کیا شغف اور کیا قلبی ارتباط تھا اور وہ کس حد تک قرآن میں فانی تھے، ان بزرگوں کے انداز علم وتعلیم سے یہ خوب خوب نمایاں تھا کہ وہ الفاظ قرآن کو صرف اسی کے پاک معانی سمجھنے کے لیے وسیلہ قرار دیے ہوئے تھے، انہوں نے کبھی بھی قرآنی الفاظ کو اپنے ذہنی اختراعات نمایاں کرنے کا آلہ کار نہیں بنایا، اور اسی لیے ان پر حکمت قرآنی کھلی جو علوم غیب کے خزانہ سے اُن پر مترشح ہوتی تھی اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ قرآنی تعبیرات سے صرف قرآنی ہی مرادات کو سمجھا جائے اور قرآن کے الفاظ سے محض قرآن ہی کے مدلول تک پہونچنے کی کوشش کی جائے، کیوں کہ یہ قرآنی تعبیرات، قرآن ہی کے مضامین کی تعبیر کے لیے نازل کی گئی ہیں، ذہنی وساوس کی ترجمانی کے لیے نہیں، اور قرآنی مضامین وہی ہو سکتے ہیں جو

مرادات الٰہیہ کے دائرہ میں محدود ہوں اس لیے انہیں کو حقائق الٰہیہ کہا جائے گا، اگر مراد حق سے ہٹ کر قرآنی الفاظ کی مدد سے کوئی مضمون کھولا جائے گا تو وہ خدائی مضمون نہیں ہوسکتا بلکہ کھولنے والے کے ذہن کے وسوسے ہوں گے جنہیں علم بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائے کہ خدائی علم کا لقب دیا جائے، اور جب خدائی علم ہی ذہن پر وارد نہ ہوتو دین کہاں سے ہمکنار ہوسکتا ہے، دین آتا ہی علم الٰہی سے ہے نہ کہ ذہنی وسوسوں یا عقلی نظریات سے۔

اس لیے لازمی طور پر دین کے دائرے میں داخل ہونے کے لیے علم کی سیڑھیوں پر چڑھنا پڑے گا، جسے قرآن لے کر آیا ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ اپنے ذہنی تخیلات کو خواہ وہ کتنے ہی معقول نظر آتے ہوں، خیر باد کہہ کر قلب وذہن کو خالص خدائی علم کے لیے خالی کرلیا جائے، ورنہ علم الٰہی وسوسوں اور دماغی گھیروں کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

انبیاء علیہم السلام پر جب یہ علم الٰہی اترتا تھا تو ان کے بھی پس وپیش پہرہ چوکی بٹھا دیا جاتا تھا کہ وہ علم الٰہی اور وحی کے نزول کے وقت نہ حواس کو استعمال کریں، نہ عقل سے سوچیں، نہ ذہنی پرواز کو کام میں لائیں، تاکہ علم وحی حواس وعقل کے ساتھ مخلوط نہ ہونے پائے جب کہ وحی حس وعقل سے ماورا ہے، حس و عقل کی کارگزاری محسوسات کے جہان تک محدود ہے، غیب ومغیبات تک اس کی رسائی نہیں، نہ وہ اُس کا ادراک کرسکتی ہے نہ احاطہ، اگر غیبی علوم کے اترتے وقت یہ حس وعقل کے نارسا خدمہ غیب میں دخیل ہونے لگیں تو ظاہر ہے کہ وہ غیب کو تو اپنی گرفت میں نہ لے سکیں گے البتہ غیب میں مشاہدات کی آمیزش کرکے خود غیب کو مشتبہ بنادیں گے اور مرادات الٰہیہ مرادات نفس وعقل سے مخلوط ہوکر مشتبہ ہوجائیں گی۔

اس لیے انبیاء علیہم السلام کے حس ونظر کو بھی جو جہانوں کے حس ونظر سے بدرجہا پاک وصاف اور بلند وبالا ہے، وحی اترنے کے وقت کام کرنے سے روک دیا جاتا تھا، تاکہ اُس وقت نبی کا قلب ہمہ تن وحی الٰہی میں ہی منہمک اور مستغرق ہوجائے، اور صرف وحی کو ہی اپنے اندر جذب کرنے کی ہمت کرے، البتہ ربانی تلقین سے مرادات الٰہی متعین ہوجانے کے بعد اُن میں عقل وتدبر سے غور کرنے سے جو علوم

کھلیں گے وہ مراد الٰہی کے تحت ہونے کی وجہ سے علوم مراد کہلائیں گے، اور انہیں کو علوم الٰہیہ اور حقائق الٰہیہ کہا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام بھی وحی اور اس کی مراد سمجھنے کے لیے تکوینی طور پر اس کے پابند قرار دیے گئے کہ ان کا ذہن سمع و بصر اور حس و نظر کے تمام دواعی، نزول وحی کے وقت معطل ہوں تا کہ وحی اور غیر وحی اور مراد حق اور غیر مراد میں کوئی ادنیٰ خلط و اختلاط نہ ہونے پائے، تو اندازہ کیا جائے کہ کیا غیر نبی قرآن فہمی میں اس کا مکلّف اور پابند نہ ہوگا کہ وہ مراد خداوندی سمجھنے کے لیے اپنے محسوسات، معقولات، نظریات اور تمام وجدانیات سے کلیۃً الگ ہو کر یعنی خالی الذہن ہو کر ہی وحی الٰہی کے مفہوم و مراد تک پہونچنے کی سعی کرے۔

اگر وہ مراد خداوندی متعین کرنے میں اپنے فکر و نظر اور عقل و وہم کو ساتھ لے کر چلے گا تو یہ ناکارہ وسائل جو علوم غیب کے جذب کرنے کے لحاظ سے نکمے اور فروتر ہیں، یقیناً اُسے مراد الٰہی تک نہ پہونچنے دیں گے، وہ بدستور اپنے شواہد و مشاہدات ہی میں الجھا رہے گا اور اس الجھاؤ کے ساتھ جب غیبی علوم پر نظر کرے گا تو غیبی مراد میں اس کا فکر و نظر بھی شامل ہوگا جس سے مراد غیر مراد سے مشتبہ اور مخلوط ہو کر بے اعتبار ہو جائے گی۔

حاصل یہ کہ مراد ربانی صحیح ذوق، تربیت یافتہ ذہن اور خاص دائرہ میں محدود رہ کر ہاتھ آتی ہے، بے ذوق، ناتربیت یافتہ اور آزاد محض ذہنوں کا کام نہیں کہ اپنے تخیل محض سے مراد الٰہی اور مرضی الٰہی کو متعین کر سکیں، اگر تعزیرات ہند کے مقاصد و مرادات اور دفعات قانون کا اصل مطمح نظر گھریلو یا محض شہری اور بازاری ذہن سے نہیں کھل سکتا، جب تک قانون کی مستند تعلیم سے ذہن کو قانونی ڈھنگ پر نہ ڈھال لیا جائے، تو قانون الٰہی کے مقاصد و مرادات اور آیات الٰہیہ کا حقیقی مطمح نظر محض تخیل آفرینی یا بے دین ماحول کے تاثرات اور بے قید ذہنوں سے کیسے کھل سکتا ہے جب کہ مستند طریقہ پر اس کی تعلیم کے ساتھ اُسی رنگ کا ذہن نہ بنایا جائے؟ جس کے لیے بہت سی قیدیں اور شرطیں ہیں، اُن کے نہ پائے جانے کی

صورت میں محض آزاد فکر ہی سے فہم مراد کو کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی وہ مراد حاصل ہوسکتی ہے اسی لیے میں نے فہم قرآنی کے شرائط وعناصر کو اپنی ایک طالب علمانہ عبارت میں جمع کر دیا ہے جس کے وجود پر ہی قرآن فہمی موقوف ہے، یہ مختصر مگر جامع عبارت حسب ذیل ہے:

لا دین إلا بالعلم، ولا علم إلا بکتاب اللہ، ولا کتاب إلا بمرادہ، ولا یتبین مرادہ إلا بسنة رسول اللہ، ولا یتضح السنة إلا بکلام الفقهاء، ولا یفید کلامهم إلا بالانصباغ، ولا یلوح الانصباغ إلا بالتزکیة، ولا یتأتی التزکیة إلا بمعیة الشیوخ، ولا معیة إلا باتباعهم .

ترجمہ: دین نہیں ہے مگر علم سے، اور علم نہیں ہے مگر کتاب اللہ سے، اور کتاب نہیں مگر اپنی مراد اور صحیح مفہوم سے، اور مراد کا تعین نہیں مگر سنت رسول اللہ سے، اور سنت کا وضوح نہیں مگر کلام فقہا سے، اور کلام فقہا فائدہ مند نہیں مگر انصباغ یعنی ذوق کا رنگ بنانے سے، اور رنگ نہیں مگر تزکیہ نفس سے، اور تزکیہ نہیں ہوتا مگر مشائخ کی صحبت ومعیت سے، اور معیت نہیں مگر اُن کے اتباع سے۔

اس عبارت میں الحمدللہ دین اور فہم دین کے تمام اجزائے ترکیبی یکجا کر دیے گئے ہیں، جن کے بغیر مرادات قرآنی تک رسائی نہیں ہوسکتی، یہ ضرور ہے کہ یہ نو جملے ایک جامع متن کی حیثیت رکھتے ہیں جو تشریح طلب ہیں، مگر اس مختصر مضمون میں ان تشریحات کی گنجائش نہیں، کیوں کہ ان تسع عناصر (نو جملوں) میں ہر عنصر دین کا ایک مستقل موضوع اور مبحث ہے، جس کے ثبوت کے مبادی اور دلائل مستقل ہیں، جس کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، یہ ان مختصر سطور میں ضمنی طور پر پیدا نہیں ہوسکتا، تاہم اگر یہ اجزاء مجملاً بھی سامنے رہیں تو فہم قرآن کی شرائط اور طریقے بالاجمال مستحضر ہو سکتے ہیں، صدیوں کا تجربہ بھی یہی ہے کہ ان سے کٹ کر فہم قرآن اور مرادات ربانی کا جلوہ سامنے نہیں آ سکتا، جنہوں نے ان شرائط سے یکسو ہوکر مراد فہمی کی کوشش کی ہے وہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکے اور اُن کی دعویٰ کردہ مرادات نہ قواعد شرعیہ کی رو سے مرادات الٰہیہ ثابت ہوئی ہیں نہ قواعد عربیہ کی رو سے، بلکہ وہ اُنہیں

کے دماغوں کی شکنیں ثابت ہوئیں جو عبارت کی صورت میں نمایاں ہوگئیں، اس لیے نہ ان میں صداقت ہے نہ برکت، نہ تقدس ہے نہ تزکیہ، اور نہ ہی اُن کے طریق پر استفادہ کرنے والے قرآن کے حقیقی ذوق اور اس کی حقیقی کیفیات تک ہی پہونچ سکے ہیں جو قرآن کے الفاظ و معانی میں لپٹی ہوئی ہیں اور اپنے ہی دریچوں سے نظر آتی ہیں، اگر وہی دریچے نہ کھولے جائیں تو ذہن کی نگاہوں پر کتنی ہی لمبی دوربین لگا کر دیکھا جائے اس سے دریچے کی چیزیں نظر نہ آئیں گی، جن کا دیکھنا مقصود تھا بلکہ اِدھر اُدھر کی چیزیں سامنے آجائیں گی جنہیں دیکھنے والا برخود غلط یہ سمجھے گا کہ وہ دریچہ کے اندر کی چیزیں دیکھ رہا ہے، حالاں کہ ایسا نہ ہوگا، اس لیے وہ ہمیشہ التباس و تلبیس کا شکار رہے گا۔

اندکے با تو بگفتم بہ دلم ترسیدم کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

بہر حال سر مضمون واقعہ سے اخذ کر کے یہ بات عرض کرنی تھی کہ ان ذکر کردہ بزرگوں کو قرآن کے صرف الفاظ ہی سے شغف نہ تھا بلکہ وہ اس کے معانی میں بھی کھوئے ہوئے تھے، اور نہ صرف معانی ہی میں گم تھے بلکہ اس کے حقائق و کیفیات سے منصبغ اور رنگین بھی تھے اور پھر نہ صرف کلام ہی تک اُن کی رسائی تھی، بلکہ اس کلام اور کلام کی کیفیات کے واسطہ سے وہ متکلم تک بھی پہونچے ہوئے تھے، جب کہ کلام کا مقصد کلام والے تک پہونچنا ہوتا بھی ہے اور کلام کے ذریعہ صاحب کلام ہی کی صفات سے متصف ہونا اور صفات سے ذات تک پہنچنا مطلوب حقیقی ہوتا ہے، جس کا راز یہ ہے کہ متکلم درحقیقت اپنے کلام میں خود جلوہ گر ہوتا ہے، وہ اپنے کلام میں گویا اپنی ذات اور صفات نکال کر رکھ دیتا ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے ؎

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اسی لیے جاہل کا کلام سن کر لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ کسی جاہل کا کلام معلوم ہوتا ہے، کسی شاعر کا کلام سن کر کہہ دیتے ہیں کہ شاعرانہ کلام ہے، اور عالم کا کلام سن کر کہہ اٹھتے ہیں کہ کسی صاحب علم کا کلام ہے، پھر علماء میں اگر جامع اور اُصولی کلام ہے تو اقرار کرتے ہیں کہ کسی بڑے صاحب فضل و کمال کا کلام ہے۔

غرض کلام سے متکلم کی صفات پہچانی جاتی ہیں اور یہ صفات ذات کے تعارف کا ذریعہ بنتی ہیں، اس لیے اس کے باور کرنے میں کیا چیز مانع آ سکتی ہے کہ اس کلام خداوندی میں بھی درحقیقت ذات و صفات خداوندی کی جھلکیاں بھری ہوئی ہیں اور ان سے وہ بآسانی پہچانا جا سکتا ہے۔

کثرت تلاوت، کثرت تدبر، کثرت عمل اور کثرت استفادہ اور کثرت مراقبہ سے آدمی ان صفات اور ان جمالات قرآنی سے رفتہ رفتہ متصف ہو کر معرفت الٰہی کے مقام پر جا پہنچتا ہے اور بالآخر ایک ایسا انسان بن جاتا ہے کہ وہ اُسے صحیح معنی میں نائب الٰہی اور خلیفہ خداوندی کہنا برمحل اور بجا ہوتا ہے۔

پس یہ بزرگ جن کے تذکرہ سے یہ مضمون شروع کیا گیا تھا حقیقتاً وارثان نبی اور نائبان الٰہی تھے جو قرآن کی محبت میں گم اور اس کے لفظ و معنی میں فانی تھے، پس جو جو اُن کے ساتھ وابستہ ہوتا گیا وہ گم ہوتا گیا اور اُسے وہی کچھ نظر آنے لگا جو وہ دیکھتے تھے

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الفور بصورت طلا شد

ان بزرگوں کی حقیقی خصوصیت جس سے وہ قرآن کی محبت اور محبت کے رسوم تک پہونچے یہی تھی کہ انہیں نہ صرف علم کتاب وسنت ہی تھا بلکہ صحبت مشائخ، ملازمت اہل اللہ، تزکیہ نفس اور انفاس قدسیہ صالحین سے منور تھے ان کا علم محض کتابی یا مطالعہ محض کا نہ تھا بلکہ تاثر کا تھا اور آخر میں مشاہدۂ غیوب کا تھا اس لیے انہوں نے الفاظ قرآن سے بھی فائدہ اٹھایا اور معانی وحقائق سے بھی سرفراز ہوئے، اور ان دونوں انوار سے صرف دنیا ہی کی زندگی درست نہیں کی بلکہ آخرت کی زندگی بھی بنائی اور نہ صرف خود ہی کے لیے بنائی بلکہ اپنے پسماندوں کو بھی محروم نہیں رکھا اور اُس زندگی کے راستہ پر ڈال گئے، حق تعالیٰ ان کی قبروں کو اپنے انوار سے منور فرمائے اور ہمیں ان پاکبازوں کی راہ چلائے اور ان کے طریق پر چل کر قرآنی روشنی سے ہم سب کو روشن بنائے، آمین۔

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ العالی

اسلام علم نافع اور عمل صالح کا داعی

اسلام علم کا دین ہے، لیکن اگر علم عمل سے خالی ہو تو وہ بے سود ہے، اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: "اللّٰھم إنّي أسألک علماً نافعاً، ورزقاً طیّباً، و عملاً متقبّلاً"، (سنن ابن ماجہ: باب ما یقال بعد التسلیم: ۹۵۲، مسند احمد: ۲۹۴/۶) اے اللہ! بے شک میں تجھ سے علم نافع اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام توکل کی دعوت دیتا ہے اور یہ عمل کے منافی ہے، جس نے بھی اسلام کو سرسری نظر سے دیکھا یا اُس کی روح کو سمجھے بغیر محض اسلام کا معتقد ہے، اس سے یہ غلط فہمی ضرور ہوئی ہے، اس غلطی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ توکل کا صحیح معنی ومفہوم نہیں سمجھا گیا، توکل کہتے ہیں تمام طرح کے اسباب ووسائل اور کامیابی کے تمام ذرائع مہیا کرنا اور ناکامی سے بچنے کے لیے تمام احتیاطوں پر عمل کرنا اور نتائج کو اللہ کی مشیت کے حوالے کردینا، یہ ہے توکل کی اصل حقیقت جو ہمیں سیرت طیبہ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم میں نظر آتی ہے۔

بعض مسلمانوں نے پڑوسی قوموں کا اثر قبول کیا، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ مختلف مذاہب کے گرو، پنڈت، سادھو اور پادری اپنے اپنے عبادت خانوں میں گوشہ نشینی کی زندگی گذارتے ہیں تو انہیں لگا کہ زہد وورع اور عبادت وتقویٰ کے بلند درجات تک پہنچنا حرکت وعمل کو چھوڑے بغیر ناممکن ہے، یہ بڑی غلطی ہے جو اسلام کے مزاج کو سمجھنے میں بہت سے لوگوں سے ہوئی ہے اس لیے کہ اسلام کا مزاج تو یہ

ہے کہ انسان، ایمان وعمل صالح کے ساتھ طلب معاش کے لیے جدوجہد کرے، طاقت وقوت کے سامان بہم کرے، اسلام ظلم وزیادتی اور ذلت ورسوائی کو دور کرنے کو فرض عین قرار دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (التوبہ:۸۸)۔ ''لیکن رسول اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ سخت جدوجہد کی، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ﴾ (النجم:۳۹۔۴۰)، ''انسان کو وہی ملتا ہے جو کوشش کرے اور اس کی کوشش دیکھی جائے گی''۔

ایک موقع پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ﴾ (الانبیاء:۹۴)، ''اس کی کوشش ٹھکرائی نہیں جائے گی''، ایک جگہ فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا﴾ (الاحقاف:۱۹)، ''ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلے میں درجات ملیں گے''۔

عمل کی دو قسمیں ہیں: عمل دنیا، عمل آخرت، اسلام دونوں ہی کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرہ:۲۰۱)، ''اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو عمل تمہیں فائدہ دینے والا ہے، اس پر جم جاؤ، اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز وکم ہمت نہ ہو۔

(صحیح مسلم:۲۶۶۴، سنن ابن ماجہ:۷۹)

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، بیماری نے مجھے موت کے منہ میں پہنچا دیا تھا، میں نے عرض کی، یارسول اللہ، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا، میرا

مرض اس حد کو پہنچ گیا ہے اور میرے پاس مال ہے جس کی وارث صرف میری ایک لڑکی ہے، تو کیا میں اپنا دو تہائی مال خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کی، آدھا کر دوں؟ فرمایا کہ نہیں، میں نے کہا، کیا پھر تہائی مال صدقہ کر دوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ (صحیح بخاری: باب حجۃ الوداع (۴۴۰۹)، صحیح مسلم باب الوصیۃ بالثلث: ۱۶۲۸)

اسی طرح مال کی حفاظت کا بھی حکم ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلاَ تُؤْتُوا السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّهُ لَكُمْ قِيَاماً﴾ (النساء: ۵) ''تم اپنے وہ مال بے وقوفوں کو مت دو جسے اللہ نے تمہارے لیے درستی کا ذریعہ بنایا ہے''۔

نیز خرید و فروخت اور تجارت و کاروبار کے احکام جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں وہ بھی اس امر پر دال ہیں کہ اسلام دین عمل ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ مکے کے مہاجرین سب تجارت اور کاروبار والے تھے اور انصار کھیتی باڑی والے لوگ تھے، اسی لیے قرآن مجید میں ثواب و جہاد کی آیتوں میں تجارت و زراعت کی مثالیں پیش کی گئی ہیں، اور ظاہر ہے کہ تجارت ہو یا زراعت، دونوں ہی عمل اور جد و جہد کے متقاضی ہیں۔

مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دین عمل ہے، وہ اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت دونوں ہی کے فائدے کے لیے عمل کا پابند بناتا ہے۔

اسلام نرمی و ملائمت کا داعی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بہت سی قرآنی آیات میں اپنی ایک صفت ''لطیف'' بیان کی ہے، اور احادیث مبارکہ میں اللہ کا ایک نام رفیق (مہربان) ذکر کیا گیا ہے، ان صفات کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں پر کرم فرماتے ہیں اور لطف و مہربانی کے ساتھ انہیں روزی پہنچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی مہربانی اور حکمت سے حکومت کے اس اعلیٰ ترین منصب پر پہنچا دیا تھا، جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، بظاہر اسباب معدوم تھے، اسی طرح اللہ

تعالیٰ نے ان کے بھائیوں کو شرمندگی سے دوچار کیا، وہ ان کے سامنے جھکنے اور اعتراف گناہ کرنے پر مجبور ہوئے، اس وقت اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ (یوسف:۱۰۰) ''بے شک میرا پروردگار کا لطف وکرم والا ہے، جس کے لیے وہ چاہے، بے شک وہ بہت جاننے والا حکمت والا ہے''۔

وہ صعوبتیں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے برداشت کیں، کامیابی کے اسباب میں تبدیل ہوگئیں۔

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں سے نرمی کا معاملہ کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾ (الشوریٰ:۱۹) ''اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، جسے چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ طاقتور زبردست ہے''۔

مذکورہ بالا آیت سے قبل قیامت کے تناظر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنین وکافرین دونوں کا ذکر کیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ نرمی کا معاملہ مومن وکافر کو شامل ہے، یہی مشہور مفسر مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

(التفسیر الکبیر:۲۷/۵۹۰، روح المعانی:۱۳/۲۷)

اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قیامت کے دن کو راز میں رکھا ہے، اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خاص لطف وکرم فرمائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا کی تو ان کی دعا قبول نہیں کی گئی، البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی پاکیزگی اور رقت کی تعریف فرمائی: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ (التوبہ:۱۱۴) ''بے شک ابراہیم بہت آہ وزاری کرنے والے بردبار ہیں''۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کے لیے مغفرت طلب کی تو اُن کی دعا قبول نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرمائی:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ﴾ (ہود:۷۵) ''بے شک ابراہیم بردبار، بہت آہ وزاری کرنے والا، بہت رجوع کرنے والا ہے''۔

''اواہ'' کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے، کسی نے ''بہت دعا کرنے والا'' کا معنی لیا ہے، کسی نے اس کا معنی ''رقیق القلب'' کیا ہے، اور کسی نے یہ مراد لیا ہے کہ ان کا دل ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے، یہ تینوں معانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر منطبق ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اچھے برے، دوست ودشمن سب کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتے، وہ اپنے سینے میں نہایت نرم دل رکھتے تھے، اسی لیے وہ ہمیشہ اس باب کے لیے کوشاں رہتے کہ ہر شخص کو اپنے دین حنیف میں شامل کرلیں، انہیں کے راستے پر حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام بھی چلے، جب یہ دونوں اللہ کے نبی، ظالم وجابر فرعون کے پاس اس کے رب کا پیغام پہنچانے گئے تو ان دونوں نے یہی طریقہ اختیار کیا، یعنی نہایت نرمی ومحبت کے ساتھ دعوت پیش کی جیسا کہ اللہ نے انہیں حکم دیا تھا: ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾ (طٰہٰ:۴۴) ''تم دونوں اس سے نرم بات کہنا، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے''۔

آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ نرمی وملائمت دعوت کی کامیابی کی بنیادی شرطوں میں سے ہے، اور یہی وہ طریقہ تھا جس پر خاتم النبیین سرور کائنات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قائم تھے، ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظّاً غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران:۱۵۹) ''اللہ کی مہربانی سے آپ ان کے لیے نرم ہوگئے، اگر آپ بدخلق وسخت ہوتے تو سب آپ کے اردگرد سے چھٹ جاتے''۔

نرمی وملائمت دعوت اسلامی کے اہم ترین عناصر میں سے ایک ہے، اس کے ذریعے لوگوں کو حق کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے اور دعوت اسلام کو قبول کرنے کا شوق دلایا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے نرمی اور رحمت ورأفت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نمایاں صفت تھی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہمیشہ یہی تعلیم دی کہ بردباری، نرمی وملائمت اور اس قبیل کے دیگر اخلاق حمیدہ جس چیز میں شامل ہوجائیں، وہ خوبصورت ہوجاتی ہے اور جس چیز سے نکل جائیں، وہ ناپسندیدہ ہوجاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ''، ''بے شک نرمی جس چیز میں ہوتی ہے وہ چیز خوبصورت ہوجاتی ہے اور جس چیز سے نکل جائے، وہ عیب دار ہوجاتی ہے''۔

(صحیح مسلم: ''کتاب البر والصلہ، باب فضل الرفق'':۲۵۹۴)

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شریعت اور قانون اسلامی کے بعض احکام میں جو سختی پائی جاتی ہے، وہ درحقیقت مصلحت عامہ کا تقاضا ہے تاکہ معاشرہ بے راہ روی کا شکار نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! بے شک اللہ مہربان ہے، اور مہربانی کو پسند کرتا ہے اور نرمی ومہربانی پر اتنا کچھ عطا کرتا ہے جو سختی پر نہیں عطا کرتا اور کسی بھی چیز پر عطا نہیں کرتا۔ (صحیح مسلم: ''کتاب البر والصلہ، باب فضل الرفق'':۲۵۹۳)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو نرمی سے محروم کردیا گیا ہے وہ خیر سے محروم کردیا گیا۔

(صحیح مسلم: ''کتاب البر والصلہ، باب فضل الرفق'':۲۵۹۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین خصلتیں جس شخص میں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کا سایہ ڈالیں گے اور اپنی جنت میں داخل کریں گے، کمزور کے ساتھ نرمی ومہربانی، والدین کے ساتھ شفقت ومحبت اور غلام وخادم کے ساتھ حسن سلوک۔ (سنن ترمذی: ابواب الزھد:۲۴۹۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں، جو جہنم پر حرام ہے یا جس پر جہنم حرام ہے، جہنم ہر اس شخص پر حرام ہے جو لوگوں سے قریب ہو، خاکسار اور نرم خو ہو۔ (سنن ترمذی: "ابواب الزهد: ۲۴۸۸)

حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ مطہرہ نے فرمایا: کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان لوگوں نے کہا: السام علیکم (تم پر موت آئے) میں سمجھ گئی، میں نے جواب میں کہا: **وعلیکم السام و اللعنة** (بلکہ تم پر موت آئے اور اللہ کی لعنت برسے)، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو، اے عائشہ! بے شک اللہ تمام معاملات میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، تو میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپؐ نے سنا نہیں، انہوں نے کیا کہا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان کے جواب میں کہہ دیا تھا، ''وعلیکم'' (اور تم پر بھی)۔ (صحیح بخاری: باب الرفق في الأمر كله: ۶۰۲۴)

کس خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ کسی سختی کے بغیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا کہ جب بھی دشمن سوچیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب پر غور کریں گے تو دل ہی دل میں شرمندہ ہوں گے۔

شریعت اور قانون اسلامی میں سختی تب ہوتی ہے، جب کوئی شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے یا دوسروں کی ایذا رسانی کا باعث بنے، چنانچہ جب کفار و منافقین اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں ہر حد سے گذر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے جنگ کر کے ان کا قلع قمع کر دینے کا حکم دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ**﴾ (التحریم: ۹) ''اے نبی آپ کفار و منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿**وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ**﴾ (النور: ۲) ''اللہ کے دین میں ان دونوں پر تم نرمی نہ کرو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو''۔

ایک جگہ فرمایا: ﴿ ﴾ (التوبہ:۱۲۳) ''اے ایمان والو! ان کفار ومشرکین سے جو تم سے الجھتے ہیں، جنگ کرو، وہ تمہاری سختی محسوس کریں''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ میں یہ بات شامل تھی کہ نرمی کی جگہ نرمی اختیار فرماتے اور سختی کی جگہ سختی کا معاملہ فرماتے، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کسی سے کبھی بدلہ نہیں لیا، البتہ اللہ کا حکم نافذ کرنے کے معاملے میں کسی کی رورعایت نہیں فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری: باب ما يجوز الغضب والشدة في أمر الله تعالى:٦١٠٩)

الجامع الصحيح للإمام البخاري بحاشية

المحدث أحمد علي السهارنفوري

یہ شاہکار وعظیم کتاب اولاً حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ العالی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۵ رجلدوں میں شائع ہوئی تھی، دوبارہ اہل علم کے اصرار پر ٦ رجلدوں میں دارالنوادر ودارالقلم بیروت سے طبع ہوئی۔

اب یہی ٦ رجلدوں والی ہندوستان میں ''مرکز الشیخ أبي الحسن الندوی'' جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ سے طبع ہوگئی ہے۔

اساتذہ وطلبہ کے لیے قیمت میں خصوصی رعایت کی گئی ہے۔

پتہ: مرکز أبي الحسن الندوی، جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ (یوپی)

موبائل: 9450876465 9532829745

افادات ❁❁❁ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری وآخری قسط

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام

بارش اور اس سے اُگنے والی سبزیاں اور درخت تمہارے لیے ہیں: ﴿هُوَ الَّذِیْ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُونَ، يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيْلَ وَالأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ (نحل:۱۰،۱۱) ''اسی (خدا) نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اُتارا اُس میں سے کچھ تم پیتے ہو اور کچھ سے درخت اُگتے ہیں جس میں جانور چراتے ہو، وہی خدا تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور چھوہارے اور انگور ہر قسم کے پھل لگاتا ہے''۔

رات، دن، چاند، سورج اور تارے سب تمہارے لیے ہیں: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ﴾ (النحل:۱۲) ''اور اس نے رات، دن اور چاند سورج کو تمہارے لیے کام میں لگایا اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں''۔

دریا اور اس کی روانی بھی تمہارے لیے ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُواْ مِنْهُ لَحْماً طَرِيّاً وَتَسْتَخْرِجُواْ مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُواْ مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (النحل:۱۴) ''اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے آرائش کے موتی پہننے کو نکالو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر کو پھاڑتی ہیں اور تاکہ تم خدا کی مہربانی کو ڈھونڈو اور شاید کہ تم اس کا شکر کرو''۔

اسی معنی کی بہت سی اور آیتیں قرآن پاک میں ہیں، عارف شیرازی نے اسی مطلب کو اس شعر

میں ادا کیا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند　　نا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ان آیتوں کے ذریعہ سے پیغام محمدیؐ نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کائنات کا سرتاج ہے، وہ خلافت الٰہی سے ممتاز ہے، وہ خلق کائنات کا مقصود ہے اور لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اس کا طغرا ہے، غور کرو کہ اس حقیقت کے فاش ہونے کے بعد انسان کے لیے کائنات کے کسی مظہر یا مخلوق کے آگے سر جھکانا جائز ہے؟ اور اس کے آگے خاک پر پیشانی رکھنا مناسب ہے۔

نادان انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا، چاہے اوتار بن کر آئے ہوں یا تخت جبروت پر قدم رکھ کر فرعون و نمرود شہنشاہ بنے ہوں، تقدس کا لبادہ اوڑھ کر قسیس و راہب کہلائے ہوں یا پوپ اور عالم درویش بن کر اپنے کو معبود منوانا چاہا ہو، یہ بھی انسانیت کی تحقیر تھی، پیغام محمدیؐ نے اس کو جڑ سے کاٹ دیا۔

ولا يتخذ بعضنا بعضاً أرباب من دون الله ''اور نہ بنائے ہم میں سے ایک دوسرے کو اپنا رب خدا کو چھوڑ کر''، یہاں تک کہ نبیوں کو بھی روا نہیں کہ وہ یہ کہیں، **كونوا عباداً لي من دون الله.** ''خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ''۔

آنکھوں سے پوشیدہ ہستیوں میں فرشتے اور آنکھوں کے سامنے کی ہستیوں میں انبیاء سب سے بلند ہیں مگر وہ بھی انسان کے معبود نہیں ہو سکتے:

ولا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الملٰئكةَ والنبيينَ أرباباً ''اور وہ ''خدا'' یہ حکم نہیں دیتا کہ نبیوں اور فرشتوں کو رب بناؤ''۔

الغرض انسانیت کا درجہ پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے اتنا بلند ہو گیا ہے کہ اس کی پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے ہاتھ اس ایک کے سوا اور کے آگے نہیں پھیل سکتے جس سے وہ لینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو وہ دینا چاہے اس سے کوئی لے نہیں سکتا۔

وهو الذي في السماء إلٰه وفي الأرض إلٰه. ''اور وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین

میں خدا ہے''۔

إلا لـه الـخـلق و الأمر ''ہاں اُسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا''، **إن الـحـكم إلا الله** ''حکومت صرف خدا کی ہے'' **لـم يـكـن له شريك في الملك** ''اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں''۔

اس پیغام محمدیؐ کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہوگا کہ علاوہ اس کے کہ اس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی حقیقت کو بھی کس طرح کھول دیا ہے، یہاں ''خدا'' کے ساتھ کوئی ''قیصر'' نہیں ہے جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے قیصر کا کچھ نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کی سلطنت اور اسی کی فرمانروائی ہے، اسی کا ایک حکم جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے۔

اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایک انسان اس نشۂ خلافت سے سرمست ہو کر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھیرا ہو یا روشنی، ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو فقیر، دوست ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے؟ اور کسی ہستی کی پرواہ کر سکتا ہے؟ ذرا اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو اور پیغام محمدیؐ کی اس بلندی پر غور کرو۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اصولی اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے، وہ خود انسان ہی ہے، جو اپنے اچھے برے عمل سے فرشتہ یا شیطان، یعنی بے گناہ یا گنہگار بن جاتا ہے اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے، یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے جو بنی نوع انسان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی، چین، برما اور ہندوستان کے تمام مذاہب آواگون اور نتائج کے چکر میں مبتلا ہیں، یونان کے بعض بے وقوف بھی اس خیال سے متفق ہیں، مگر اس وہم نے انسانیت کو بے کار کر دیا اور اس کی پیٹھ پر بڑا بھاری پتھر رکھ دیا ہے، اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بتا کر اس کو مجبور کر دیا ہے اور اس کی ہر زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس عقیدہ کے مطابق کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی

اس کی گنہگاری کی دلیل ہے، عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا بلکہ اور بڑھا دیا ہے، عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تسلیم کیا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ آدم کی گنہگاری کے سبب سے موروثی طور پر گنہگار ہے خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو، اس لیے انسانوں کی بخشش کے لیے ایک غیر انسان کی ضرورت ہے جو موروثی گنہگار نہ ہوتا کہ وہ اپنی جان دے کر بنی نوع انسان کے لیے کفارہ ہو جائے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر غمزدہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ تم کو بشارت ہو کہ تم نہ اپنی پہلی زندگی اور کرم کے ہاتھوں مجبور اور ناچار ہو اور نہ اپنے باپ آدم کے گناہ کے باعث فطری گنہگار ہو بلکہ تم فطرتاً پاک وصاف اور بے عیب ہو، اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی پاکی اور صفائی کو برقرار رکھو یا نجس وناپاک بن جاؤ ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُونِ، وَطُورِ سِيْنِيْنَ، وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ، إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ (التین:۱-۶) ''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی (کہ) البتہ ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا، پھر اس کو ہم نیچے سے نیچے پہونچا دیتے ہیں، لیکن وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے''۔

انسانوں کو پیغام محمدی کی یہ بشارت ہے کہ انسان بہترین حالت، بہترین اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک وبد ہو جاتا ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا (شمس:۶-۱۰) ''قسم ہے نفس کی اور اس کے ٹھیک بنائے جانے کی، پھر ہم نے سمجھ دے دی اس کو نیکی اور بدی کی، تو کامیاب ہے وہ جس نے اس (نفس) کو پاک رکھا اور ناپاک ہوا وہ جس نے اس کو میلا کر دیا''۔

انسانیت کی فطری پاکی کے لیے اس سے زیادہ صاف پیغام اور کیا چاہئے، سورۂ دہر میں پھر آتا ہے: ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعاً بَصِيْراً، إِنَّا هَدَيْنَاهُ

السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً ﴾(الدھر:۲-۳)''ہم نے انسان کوایک بوند کے لچھے سے پیدا کیا ہم پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (انسان) ہم نے اس کو سجھادی راہ، وہ یا حق مانتا ہے یا ناشکرا ہے''، سورۂ انفطار میں ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ، الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ، فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاء رَكَّبَكَ ﴾(انفطار:۶-۸)''اے انسان! کاہے سے دھوکے میں پڑا تو اپنے بخشش والے رب کے متعلق جس نے تجھ کو پیدا کیا پھر تجھ کو ٹھیک کیا، پھر تجھ کو برابر کیا، جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا''۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی زبان میں دین اور فطرت ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں، اصل فطرت دین ہے اور گناہ گاری انسان کی ایک بیماری ہے جو باہر سے آتی ہے، قرآن مجید کہتا ہے: ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾(روم:۳۰)''سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں یہی سیدھا دین لیکن بہت لوگ نہیں جانتے''۔

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے پیغام میں اس آیت پاک کا مطلب پورے طور پر واضح کر دیا ہے، بخاری تفسیر سورۂ روم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: **ما من مولود يولد إلا على الفطرة**، کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا، لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور اصل میں صحیح وسالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کیا کوئی کان کٹا بچہ بھی پیدا کرتا ہے؟ یہ کہہ کر پھر آپؐ نے اوپر کی آیت پڑھی۔

غور کرو! اس پیغام محمدیؐ نے بنی نوع انسان کو اپنی زندگی کے عمل میں کس طرح آزاد بنا دیا ہے۔

۳۔ ظہور محمدیؐ سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی اور لوگ ایک دوسرے سے ناآشنا تھے، ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لیے کوئی جگہ

نہیں رکھی تھی، ان کے نزدیک پرمیشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا، خدا کی رہنمائی کا عطیہ صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کے لیے محفوظ تھا، زرتشت خاک پاک ایران کی پاک نزاد کے سوا اور کہیں خدا تعالیٰ کی آواز نہیں سنتا تھا، بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی نبی اور رسول کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے، یہ پیغام محمدیؐ ہے جس نے پورب، پچھّم، اتر، دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لیے ملک وقوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہیں، ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا، وَ إِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلا فِيْهَا نَذِيْرٌ ''اور نہیں ہے کوئی مگر گذر چکا اس میں ایک ہوشیار کرنے والا''، ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (رعد:۷) ''اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے''، ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلاً إِلَى قَوْمِهِمْ﴾ (روم:۴۷) ''اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے''۔

ایک یہودی اپنی قوم سے باہر کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتا، ایک عیسائی کے لیے بنی اسرائیل کے یا دوسرے ملکوں کے رہنماؤں کو تسلیم کرنا ضروری نہیں اور ایسا کرنے سے اس کے سچے عیسائی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا، ہندو دھرم کے لوگ آریہ ورت کے باہر خدا کی کسی آواز کے قائل نہیں، ایران کے زردشتی کو اپنے یہاں کے سوا دنیا ہر جگہ اندھیری معلوم ہوتی ہے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی پیغام ہے کہ ساری دنیا ایک ہی خدا کی مخلوق ہے، اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں، ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا شام، ہر جگہ خدا کا نور یکساں چمکا ہے، جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی خدا نے اپنے قاصد بھیجے، اپنے رہنما اتارے اور ان کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا۔

اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں پر، پہلی آسمانی کتابوں پر اور گذشتہ ربانی الہاموں پر یقین نہ رکھے، جن جن پیغمبروں کے

قرآن میں نام ہیں ان کو نام بنام اور جن کے نام نہیں معلوم، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں وہ کہیں بھی گذرے ہوں اور ان کے جو نام بھی ہوں ان سب کو سچا اور راست باز ماننا ضروری ہے۔

مسلمان کون ہیں؟: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ﴾ ''جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اے محمد تم پر اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا''، پھر سورۂ بقرہ کے بیچ میں فرمایا: ﴿وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ﴾ ''لیکن نیکی اس کی ہے جو خدا پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان لایا''، اس سورہ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیرو: ﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ ''سب ایمان لائے خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں باہم فرق نہیں کرتے''۔

یعنی یہ نہیں کر سکتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہیں، تمام مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ آمِنُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِيَ أَنزَلَ مِن قَبْلُ﴾ (نساء:۱۳۶) ''اے ایمان لا چکنے والو! ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اُتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اُتاری گئی''۔

۴۔ تمام مذہبوں نے عبد و معبود اور خدا و بندے کے درمیان واسطے قائم رکھے تھے، قدیم بت خانوں میں کاہن اور پجاری تھے، یہودیوں نے بنی لادی اور ان کی نسل کو خدا اور بندے کے درمیان عبادتوں اور قربانیوں میں واسطہ بنایا تھا، عیسائیوں نے بعض حواریوں اور اُن کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ وہ جو زمین پر باندھیں گے وہ آسمانوں پر باندھا جائے گا اور جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھولا جائے گا، ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا، ان کے بغیر کوئی عبادت نہیں ہوسکتی، ہندوؤں میں برہمن خاص خدا کے داہنے ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں اُن کی وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہوسکتی، مگر اسلام میں پجاریوں، کاہنوں پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے، یہاں گناہوں کی

معافی کا حق صرف اللہ کو ہے، عبد و معبود اور خدا و بندے کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی کو دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے، نماز کا امام ہوسکتا ہے، قربانی کرسکتا ہے، مذہب کے تمام مراسم بجالا سکتا ہے، یہاں انسانوں کو اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ''اے لوگو! (بلا واسطہ) مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا'' کی صدائے عام ہے، ہر شخص اپنے خدا سے باتیں کرسکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اسے پکار سکتا ہے اس کے آگے جھک سکتا ہے اور دل کی عقیدت کے نذرانے بلا واسطہ پیش کرسکتا ہے، یہاں عبد اور معبود اور خدا و بندہ کے درمیان کوئی متوسط اور دخیل نہیں، یہ سب سے بڑی آزادی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانوں کو عطا ہوئی، یعنی یہ کہ خدا کے معاملہ میں انسانوں کی غلامی سے نجات ملی، ہر انسان اپنا آپ کاہن، پریسٹ اور پوپ اور برہمن ہے۔

۵۔ انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لیے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں اُن کے متعلق ابتدا سے قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط و تفریط رہی ہے، افراط یہ رہی کہ نادانوں نے ان کو خدا یا خدا کا مثل یا خدا کا روپ اور مظہر ٹھرایا، بابل، سیریا اور مصر کے ہیکلوں میں کاہنوں کی شان مثیل خدا کی نظر آتی ہے، ہندوؤں میں وہ اوتار کے رنگ میں مانے جاتے ہیں بودھوں اور چینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہابیروں کو خود خدا تسلیم کرلیا، عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا، دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو پیشن گوئی کرسکتا تھا نبی اور پیغمبر تھا، ایک نبی کی نبوت کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پیشن گوئی کرتا ہے خواہ وہ گنہ گار ہو، اخلاقی حیثیت سے قابل اعتراض ہو، خدا کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کا نیک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہ تھا، اس لیے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں جو حد درجہ لغو اور بے ہودہ ہیں۔

اسلام نے منصب عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کی اور بتایا کہ انبیاء نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے مثل ہیں، وہ بشر ہیں اور خالص بشریت کے جامہ میں ہیں، تمام انبیاء بشر تھے اور آخری پیغمبر نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں، کفار تعجب سے کہتے تھے ''أ بشراً رسولاً'' کیا بشر رسول؟ اسلام نے کہا ہاں!'' کہہ

دے اے پیغمبر! میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، میں نہیں ہوں لیکن بشر رسول''۔

خدا کے کارخانے کی کوئی چیز بالذات انبیاء کے اختیار میں نہیں، ان کو بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا تعالیٰ کے اذن واشارہ سے کیا۔

دوسری طرف بتایا گیا کہ وہ گو انسان اور بشر ہیں، لیکن اپنے کمالات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، وہ خدا سے مکالمہ کرتے ہیں اُن پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں تاکہ گنہگاروں کے لیے نمونہ بنیں، ان کے ہاتھوں سے خدا اپنے اذن اور اشارے سے اپنی قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں، ان کی عزت وتعظیم اور اطاعت سب فرض ہے، وہ خدا تعالیٰ کے خاص مطیع اور سچے بندے ہیں جن کو خداوند کریم اپنی رسالت وپیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔

یہ ہے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدیؐ نے انبیاء اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے، جو ہر قسم کی افراط وتفریط سے پاک ہے اور اس مذہب کے مناسب ہے جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین

۳/جلدیں

تالیف: محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی

ناشر: مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی، جامعہ اسلامیہ، مظفر پور اعظم گڑھ (یوپی)

رعایتی قیمت: مکمل سیٹ ۱۲۰۰/روپئے

ملنے کا پتہ:

مکتبہ جامعہ اسلامیہ، مظفر پور اعظم گڑھ

رابطہ نمبر: 9532829745 9450876465

مکتوب تعزیت بنام حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء

صدیق محترم الاستاذ الفاضل ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن الندوی

أطال الله بقائه ومتع المسلمين بعلومه، آمين.

مهتمم دار العلوم ندوة العلماء لكهنؤ

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

اچانک ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ کو مرشدامت حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی نوراللہ مرقدہ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے حادثہ کی خبر نے دل ودماغ میں ایسی کیفیت پیدا کردی ہے جس سے ان کے تعلق کا اندازہ ہورہا ہے، شاید ہی کوئی لمحہ بیداری کا ایسا گزر رہا ہے جس میں ان کا خیال نہ ہو، بیشک اس حادثۂ فاجعہ سے پورے حسنی خاندان، دارالعلوم ندوۃ العلماء و متعلقین اور خاص طور پر آنجناب کو جو صدمہ پہنچا وہ ناقابل بیان ہے۔

جمعہ کے روز آپ کی تقریر سن کر مجھ پر بھی وہی کیفیت طاری ہوئی جو آنجناب کی تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

حضرت اقدس مولانا علی میاں ندوی نوراللہ مرقدہ کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نظامت اور اس کشتی کی بادبانی کے لیے ان کو طویل عمر عطا ہوئی، بیشک دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا علی میاں صاحب نوراللہ مرقدہ کی مساعی اور برکتوں سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم عربی اسلامی کی عظیم الشان درس گاہ بن گیا اور ان کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب نوراللہ مرقدہ سے ترقی کے منازل طے کرتا رہا، بیشک اس میں آپ کا تعاون اور آپ کی خدمات برابر شامل رہیں اور ان دونوں بزرگوں کو آپ کا اعتماد حاصل رہا یہ بہت بڑی سعادت مندی کی بات ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کے

انتقال کے بعد آپ پر جو اثر ہے اس کا اندازہ ہم سب کو ہے، ان شاء اللہ ان دونوں حضرات کی دعائیں اور ان کی آہ سحر گاہی سے ندوۃ العلماء آپ کی قیادت میں ترقی کرتا رہے گا۔

امید ہے کہ عزیز گرامی مولانا سید بلال حسنی کا انتخاب نظامت کے عہدے پر اور عزیز گرامی مولانا سید جعفر مسعود ندوی کا انتخاب ناظر عام کے عہدے پر جس کا آپ نے اعلان کیا ان شاء اللہ بہت ہی خیر کا ذریعہ ہوگا، یہ دونوں حضرات حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی تربیت وصحبت سے مشرف ہو چکے ہیں، خاص طور سے مولانا سید بلال صاحب کو حضرت نے خلیفہ ومجاز بنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے ہم آپ کی صحت کے لیے اور اس حادثۂ کبری پر صبر و برداشت کے لیے دعا کر رہے ہیں، قضا وقدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، موت وحیات کے لیے وقت مقرر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے کہ کسی حادثہ کے پیش آنے سے پہلے ان کے اعزہ واقارب کے لیے صبر وتحمل کا مادہ عطا فرما دیتے ہیں ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ برداشت کر سکے، یہ بھی حقیقت ہے ؎

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اس موقع پر مجھے اس بدوی کا شعر یاد آ رہا ہے، جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

اصبر نکن بک صابرین فإنما صَبْرُ الرَّعِيَّةِ عند صبر الرأس

خيرٌ من العباس صبرک بعده والله خيرٌ منک للعباس

بیشک یہ حادثہ دار العلوم ندوۃ العلماء اور پوری ندوی جماعت، ہندوستان کے مدارس اور عالم عربی میں فکر اسلامی کے حاملین کے لیے غیر معمولی ہے، اس وقت کچھ لکھنے کے لیے قلم میں طاقت نہیں، دماغ میں قوت نہیں، خاص طور پر یہ تصور کر کے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ ہم سے اچانک رخصت ہو گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت مولانا تواضع وخاکساری، استغناء وزہد وتوکل، حلم وبردباری جیسی صفات حسنی خاندان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ ان سب کے حامل تھے، بالکل اس شعر کے مصداق تھے ؎

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

آنجناب پر جو ذمہ داری کبرسنی کے باوجود آپڑی ہے ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد آپ کے ساتھ شامل رہے گی۔

اس وقت اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ہمت نہیں، آپ پر جو تاثر ہے وہ دیکھتا رہا، خود اپنا بھی وہی حال ہے، ان شاء اللہ ہمارا اور آپ کا تعلق جو طالب علمی سے اب تک قائم ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گا، اس ناچیز سے جو خدمت بن سکے گی کبرسنی اور بڑھاپے کے باوجود اس میں کمی نہیں ہوگی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو صحت وعافیت عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ رہے، ان شاء اللہ اگر زندگی رہی تو عنقریب حاضر خدمت ہوں گا۔

میں تفصیلی تعزیت نامہ ان دونوں حضرات کو لکھ چکا ہوں، عزیزی مولوی عبداللہ مخدومی وعزیزی قاری عبدالحمید ندوی اور مصباح وغیرہ جو حضرت کی خدمت میں ہمیشہ رہے، ان سب کو سلام مسنون، ہمارے صاحبزادگان کی طرف سے تعزیت اور سلام مسنون۔

فقط والسلام

شریک غم

أ/د-تقی الدین ندوی

معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء

۲۷/رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۸/اپریل ۲۰۲۳ء

مکتوب تعزیت و تلقین صبر بنام مولانا سید بلال عبدالحئی حسنی و مولانا جعفر مسعود ندوی

برادر عزیز محترم مولانا سید بلال حسنی ندوی و عزیزی محترم مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی حفظکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اچانک ۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ کو مرشد امت حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی نور اللہ مرقدہ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے حادثہ کی خبر نے دل و دماغ میں ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جس سے ان کے تعلق کا اندازہ ہو رہا ہے، شاید ہی کوئی لمحہ بیداری کا ایسا گزر رہا ہے جس میں ان کا خیال نہ ہو، اس حادثۂ فاجعہ سے آپ دونوں حضرات اور پورے خاندان، دارالعلوم ندوۃ العلماء و متعلقین اور پوری ملت اسلامیہ کو جو صدمہ پہنچا وہ ناقابل بیان ہے، گرچہ حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی۔

حضرت مولانا کو حضرت مولانا علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نظامت اور اس کشتی کی بادبانی کے لیے ان کو ۲۳؍سال کا عرصہ دیا گیا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ترقی کا آغاز حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے شروع ہوا، مجھے وہ وقت یاد ہے جب دونوں بورڈنگ کے طلبہ کی تعداد ۷۰، ۷۵ تھی، یہ میری طالب علمی اور ابتدائی مدرسی کا زمانہ ہے، لیکن حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی مساعی اور برکتوں سے اور ان کے رفقاء و تلامذہ جو اس میر کارواں کے ساتھ وابستہ تھے دارالعلوم ندوۃ العلماء نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم عربی اسلامی کی عظیم الشان درس گاہ بن گیا اور حضرت والاؒ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو خلا پیدا ہوا وہ ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب نور اللہ مرقدہ سے پُر ہوا اور ان کے برادر عزیز مولانا محمد واضح حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کے تعاون سے دارالعلوم ترقی کے منازل طے کرتا ہوا بہت آگے نکل گیا جس کا شاید ابتدا میں کسی کو تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت اقدس مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی دعاؤں و دل سوزی اور ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحبؒ کی آہ سحر گاہی اور حکمت اور فہم وفراست، تواضع وانکساری اور صفات نبوی جس کے وہ حامل تھے، ندوۃ العلماء ترقی کرتا چلا جارہا تھا، مختلف حالات پیش آئے مگر ہر حالت میں ان کی دعا و آہ سحر گاہی اور حکمت اور ان کی نسبت حسنی نے ان سب مراحل کو پار کرلیا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کی وفات کا سنگین حادثہ اچانک پیش آیا، ابھی حضرت مولانا سے یہ ناچیز ایک ماہ پہلے ملاقات کر کے ابوظبی واپس آیا تھا، الحمدللہ طبیعت بہت ہشاش بشاش تھی اور اِس علالت کے دوران بھی حضرت والا سے فون سے برابر رابطہ قائم رہا، لیکن قضا وقدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، موت وحیات کے لیے وقت مقرر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے کہ کسی حادثہ کے پیش آنے سے پہلے ان کے اعزہ واقارب کے لیے صبر وتحمل کا مادہ عطا فرمادیتے ہیں ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ برداشت کر سکے، یہ بھی حقیقت ہے ؎

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اس موقع پر مجھے اس بدوی کا شعر یاد آرہا ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

اصبر نکن بک صابرین فإنما صبرُ الرَّعِیَّةِ عند صبر الرأس

خیرٌ من العباس صبرک بعده واللہ خیرٌ منک للعباس

بیشک یہ حادثہ حسنی خاندان اور دارالعلوم ندوۃ العلماء اور پوری ندوی جماعت، ہندوستان کے مدارس اور عالم عربی میں فکر اسلامی کے حاملین کے لیے غیر معمولی ہے، اس وقت کچھ لکھنے کے لیے قلم میں طاقت نہیں، دماغ میں قوت نہیں، خاص طور پر یہ تصور کر کے کہ حضرت نوراللہ مرقدہ ہم سے اچانک رخصت ہوگئے۔

اس ناچیز کا حضرت سے تقریباً ۷۰ رسال کا تعلق رہا ہے، سن ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے بعد حضرت مولانا نے خارج میں حماسہ پڑھائی تھی، ویسے آپ حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت نے جو تحریر اس ناچیز کو دی ہے وہ میری زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے، حضرت مولانا کا اکابر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر

رائے پوری، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہم سے جو تعلق رہا ہے وہ آنکھوں دیکھا حال ہے ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حضرت مولانا تواضع وخاکساری، استغناء وزہد وتوکل، حلم وبردباری جیسی صفات حسنی خاندان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ ان سب کے حامل تھے، بالکل اس شعر کے مصداق تھے ؎

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

اس وقت آپ دونوں حضرات پر خصوصیت سے جو ذمہ داری آن پڑی ہے، امید ہے کہ آپ صبر وتحمل سے کام لیں گے اور اپنی خاندانی نسبت وروایات کو ان شاء اللہ اسی طرح برقرار رکھیں گے اور ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

کا نمونہ دنیا کو دکھادیں گے، اللہ تعالیٰ کی نصرت وحفاظت آپ کے ساتھ ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اپنے ماموں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کو جذب کئے ہوئے تھی، ان کی پوری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عشق اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت، اولیاء اللہ اور صلحائے امت سے گہری محبت وعقیدت میں گزری جو اس خاندان کا شعار رہا ہے اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اکابر کی نظر رہی ہے اور ان کی توجہات ودعاؤں اور شفقت سے وہ پوری طرح فیض یاب ہوئے تھے، ان کی تربیت اور صحبت جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ دونوں کو حاصل

ہے، اس سے امید ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اس کا مشن اسی طریقے سے قائم ودوائم رہے گا، اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت ومدد ہم رکاب رہے گی۔

ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ بار بار اعلان فرماتے تھے کہ بھائی میری زندگی کا تو آخر ہے، جولوگ باقی ہیں ان سے رجوع کرو، آئندہ ان شاءاللہ انہیں سے کام ہوگا، یہ عالم کا نظام ہے۔

اس وقت اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ہمت نہیں، اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کے تحت حضرت والاؒ نے آپ دونوں کو تیار کر رکھا تھا، اس لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مشن ان شاءاللہ پوری طاقت کے ساتھ جاری وساری رہے گا، ہم سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں، یہ آپ لوگوں کی سعادت مندی ہے کہ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ نے آپ لوگوں کو اپنے روحانی مزاج میں رنگ دیا ہے، انہوں نے جو کچھ خاندانی میراث پائی تھی جس کے وہ حامل تھے وہ اپنا کام پورا کر کے چلے گئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ لوگوں کو صحت وعافیت عطا فرمائے، پوری ہمت اور توکل علی اللہ کے ساتھ اپنا کام جاری وساری رکھیں، اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت آپ کے ساتھ ہے، ان شاءاللہ زندگی رہی تو عنقریب حاضر خدمت ہوں گا۔

سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہوں۔

فقط والسلام

شریک غم

أ/د-تقی الدین ندوی

معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء

مدینۃ العین، ابوظبی

۲۷/رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۸/اپریل ۲۰۲۳ء

رسم اجراء

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم
پروفیسر جامعہ محمد بن زاید للعلوم الانسانیہ ابوظبی
ومعتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''عرفان محبت'' کے جدید نسخہ کا اجراء

یہ ناچیز ایک ایسے جلسے میں شریک ہورہا ہے جس میں یادگارِ عالم ربانی حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی نوراللہ مرقدہما جو ہمارے شیخ ثانی ہیں، کے مجموعۂ کلام کی جدید اشاعت کی رونمائی کا اہتمام کیا گیا ہے، حضرتؒ کا کلام ''عرفان محبت'' کے نام سے ہمارے عزیز ساتھی اور دوست مولانا محمد میاں صاحب کی ترتیب سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ حضرت کا یہ دیوان ایک الہامی دیوان ہے، یہ سب کا سب آمد ہے، آورد نہیں ہے، اس کی سب سے پہلے حضرت مولانا قمرالزماں صاحب نے جو حضرت پرتاب گڑھی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ ہیں مختصر شرح کی تاکہ قاری کو ان اشعار کے سمجھنے میں سہولت پیدا ہو اور اس کے دل ودماغ کو وہ متاثر کرسکیں، ان میں عشق ومحبت وتواضع ونیستی کی شان پیدا ہو۔ مولانا کی یہ شرح بہت ہی موثر اور جامع اور دلسوز شرح فیضان محبت کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہوئی ہے، جس کے پڑھنے سے دل کو لذت اور ایمانی حرارت نصیب ہوتی ہے۔

اس کے بعد عزیز گرامی مولوی سحبان ثاقب ندوی نے بھی عرفان محبت کے غیر مطبوعہ اشعار جو اُن کو مل سکے ہیں، ان کو ''عرفان محبت'' میں شامل کرکے ''شبستان محبت'' کے نام سے ان کی شرح کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے بھی بہت ہی مؤثر اور بہت اچھے انداز میں ان اشعار کی شرح کو واضح کیا ہے، یہ ان کی سعادت مندی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو آستانۂ حسنی پر ڈال رکھا ہے ان شاء اللہ یہ ان کی روحانی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

اس وقت ہم لوگ ''عرفان محبت'' کے بقیہ اشعار کو جو کتاب میں شامل نہیں کیے جا سکے تھے، حضرت اقدس امام ربانی مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی نور اللہ مرقدہ کے پوتے عزیز گرامی جناب مولوی امتیاز احمد بن قاری مشتاق احمد حفظہ اللہ نے بڑی محنت اور دلسوزی اور اپنا حق سمجھ کر ان اشعار کو جمع کر کے ''عرفان محبت'' کے اس مجموعہ میں شامل کیا ہے، جس کا اس وقت اجراء ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا پرتاب گڑھی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی بزم اہل دل کے لیے ایک ایسی شمع فروزاں تھی جس کی ضوء فشانی سے قلب کی ظلمت دور ہو جاتی تھی، ان کی ذات گرامی ایسی وادی محبت تھی جس میں پہنچ کر آدمی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا تھا، جہاں ہر خیال وفکر کے علماء وصلحاء، عوام وخواص پروانہ وار اس شمع ہدایت کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔

ہندوستان بلکہ پوری دنیا تیرہویں وچودہویں صدی میں سیاسی زوال سے دوچار تھی، لیکن اللہ تعالی نے اس دور میں ایسی روحانی وعلمی شخصیتیں پیدا کیں جن سے ایمان ویقین کی ایسی شمعیں روشن ہوئیں جن سے سیاسی زوال کی تاریکیوں میں مردہ دلوں میں حرارت اور زندگی پیدا ہوگئی اور علم وفن اور علوم اسلامیہ میں ایسی خدمات انجام دیں جو دیگر ممالک اسلامیہ کے لیے رہنما ثابت ہوئیں، ان عظیم شخصیتوں میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی ذات گرامی ہے جنہوں نے گنج مرادآباد جیسے معمولی دیہات میں بیٹھ کر عشق ومحبت کی شمع کو اس طرح روشن کیا، جس سے بڑے بڑے علماء نے اپنے قلوب کو منور کیا، ان میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے والد محترم ہیں، انہیں میں حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحئی حسنیؒ اور بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ اور حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

یہ آخر الذکر بزرگ حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ کے خلفاء میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، علم وفن کے لحاظ سے وہ اپنے زمانے کے علامہ تھے، سترہ سال جامعہ ازہر اور مصر میں رہ کر علم وفضل حاصل کیا، عربی زبان پر پوری قدرت تھی، پوری بخاری شریف ان کو ازبر تھی، ان کے ممتاز خلفاء میں حضرت

مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے، بقول حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کہ حضرت مولانا جس طرح خود سراپا عشق ومحبت ہیں اسی طرح حضرت کا کلام بھی عشق ومحبت کا آئینہ دار اور طالبین کے لیے سلوک عشق کا شمع رہنما ہے۔''عرفان محبت'' کی تقریظ میں انہوں نے یہ تحریر فرمایا کہ یہ کتاب اسم اور مسمی دونوں کے اعتبار سے الہامی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی زندہ یادگار ہیں، وہ نقشبندیت اور چشتیت دونوں رنگوں کے سنگم ہیں۔موصوف کی نسبت مع اللہ اس درجہ قوی ہے کہ جس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔آپ کا فیض سب پر ابر باراں کی طرح رواں ہیں۔حضرت مولانا کے عاشقانہ اور عارفانہ کلام کا مجموعہ ''عرفان محبت'' نے دل وجان کو مسرور کردیا، ہر شعر حضرت کے جذب وکیف اور نسبت باطن کی رفعتوں کا اہل نظر واہل دل کے لیے غماز ہے اور نا آشنائے دردِ دل کو آشنائے درد وبسمل بنادیتا ہے۔

حضرت اقدس شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا پرتاب گڑھی کے انوار مجھے زمین سے آسمان تک محسوس ہورہے ہیں۔مولانا کا عاشق حق ہونا ایسا بدیہی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ بھی مولانا کی صحبت ومجالست پالی وہ مولانا کے جذب وکیف اور محبت ومعرفت کے مخصوص رنگ کو دیکھ کر حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہ کی زندہ سوانح وتاریخ پاتا ہے۔

حضرت مولانا کے کلام میں اللہ تعالی نے عجیب تاثیر رکھی ہے، حضرت مولانا کی مجلس میں جب کبھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، کبھی جناب کامل چائلی صاحب آپ کے کلام کے ساتھ مترنم ہوتے اور کبھی حضرت خود سناتے، مجلس میں خاص کیفیت پیدا ہوتی اور کبھی حضرت خود اس کی توضیح وتشریح فرماتے، ایسا معلوم ہوتا کہ تصوف اور معارف کا دریا رواں ہے، حضرت والا نے اپنے مقام عالی کو تواضع وانکساری کے پردے میں ایسا مستور رکھا تھا جس سے بسا اوقات ظاہر بینوں کو دھوکہ ہوتا تھا، حضرت ہی کا

شعر ہے۔

مری صورت دیکھ کر مت کھایئے ہرگز فریب
ہے بہاریں سیکڑوں پنہاں دل برباد میں

حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا کا کلام عشق ومستی سے بھر پور اور معرفت ومحبت کا شراب طہور نظر آتا ہے، ان کے کلام میں عشق ومحبت کا مضمون گرمی وسرمستی اتنی نظر آتی ہے کہ ان کے دیوان کا نام صحیح معنی میں ''عرفان محبت'' ہی ہوسکتا ہے اور جس نے یہ نام تجویز کیا اس نے اپنے حسن ذوق کا ثبوت دیا۔

حضرت مولانا کے کلام کو مرتب کر کے پہلے شائع کرنے والے ہمارے عزیز دوست مولانا محمد میاں مرحوم تھے، ان کے حصے میں یہ سعادت تھی کہ انہوں نے اس مجموعہ کو جمع کر کے کتابی شکل میں ''عرفان محبت'' کے نام سے پیش کیا، حضرت مولانا ہی کا شعر ہے۔

خدا کا فضل ہے ورنہ میں اس قابل نہ تھا احمؔد
کہ میں نے آگ جو بھر دی ہے اشعار محبت میں

حضرت کی زبان مبارک سے عشق ومحبت کے ایسے اشعار نکلے ہیں جن کو پڑھ کر وہ لطف آتا ہے جو بیان نہیں کیا جاسکتا، حضرت کا یہ مشہور شعر جس میں غالب کے شعر کی ترمیم کی ہے۔

عشق نے احمد مجلّی کردیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

اسی طرح سے حضرت نے طلبہ وعلماء کو خطاب کر کے ایک طویل نظم پیش کر کے جس کا یہ مطلع تھا۔

رحمت کا ابر بن کر جہاں بھر پر چھایئے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

حضرت پورے یقین کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اگر عشق نہیں ہے تو انسان ہی نہیں ہے۔

کہہ رہا ہوں ہوش میں میں کیا کیا کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

حضرت کا کلام عشق ومحبت کا پیکر ہوتا ہے جو غیر کی محبت کو دل سے صاف کرنے کا ذریعہ ہے۔

فرقت میں تیری یاد سے اور ذکر و فکر سے
یوں شعلہائے عشق کو بھڑکا رہے ہیں ہم
احمد تجھے نہ جانا نہ سمجھا تمام عمر
وہ ساتھ جار ہے ہیں ترے آرہے ہیں ہم

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت جو شعر پڑھا تھا وہ بھی ان کی غایت عشق ومحبت کی دلیل ہے۔

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

حضرت نے اس شعر میں برجستہ ترمیم کی۔

جوش جنوں میں توڑ دیا میں نے خود کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

حضرت مولانا کی زیارت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی ۱۹۷۵ء کے موقع پر اپنے رفیق درس مولانا محمد میاں حسنی مرحوم کے ساتھ ہوئی تھی، جو حضرت والا سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۲۴ رمئی ۱۹۸۲ء کو ہمارے شیخ واستاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ جن کی خدمت وصحبت اور براہ راست تعلق رکھنے میں تیس سال کی مدت گزری تھی، جن کی کتابوں میں بذل المجہود اور اوجز المسالک کی طباعت وغیرہ کے سلسلے میں خط وکتابت کا سلسلہ برابر قائم رہا، ان کے سانحۂ انتقال کے بعد قلب میں اضطراب وبے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔

تسکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں

اور اس کیفیت میں اضافہ ہوتا گیا۔

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جاکے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

اس لیے حضرت مولانا پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت میں اوران کی خدمت میں حاضری کا شدید تقاضا پیدا ہو،امقدر سے ۱۹/اگست ۱۹۸۶ءکو یہ سعادت نصیب ہوئی،جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

جس کو اپنی کتاب ''داستاں میری'' میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔اور یہ تعلق اخیر تک قائم رہا اوراس میں اضافہ ہوتا رہااور حضرت کے خطوط ورسائل جواس ناچیز کے نام ہیں ان میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

عزیز محترم معظم ومخلصم زید مجدکم............السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا محبت نامہ ملا،پڑھ کر دلی مسرت ہوئی،آپ کی محبت سے دل بہت متاثر ہے،آپ کے لیے دل سے دعا کرتا ہوں،معمولات پورا کرتے ہیں اس خبر سے بہت خوشی ہوئی،یہ بہت بڑی نعمت ہے،میں جسم سے دور ہوں مگر دل سے آپ کے قریب ہوں،میری طبیعت پہلے سے زیادہ خراب ہے،کمزوری بہت ہے،میرے لیے دعا فرماتے رہیں،دل سے دعا کرتا ہوں وہ صاحب جلد بری ہو جائیں اورآپ کو مسرت ہو،خدا کرے وہ جلد بری ہو جائیں،خیریت اور کیفیت سے مطلع فرماتے رہیں۔

فقط والسلام

دعا گو:محمد احمد

مقیم:پرتاب گڑھ

۱۲/اگست ۱۹۹۲ءکوابوظبی سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا،رخصتی کے وقت اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت ماہ جنوری میں عمرہ کے لئے تشریف لے چلیں اس پر تبسم فرمایا اور ناشتہ کے بعد تنہائی

میں بلا کر دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے رہے اور بار بار یہ شعر پڑھتے رہے۔

ترا آنا مرے احساس میں جان محبت ہے
مگر جانا ستم ہے غم ہے حسرت ہے قیامت ہے

پھر معانقہ فرمایا اور آب دیدہ ہوکر بار بار فرماتے رہے، آپ جایئے میں بھی آپ کے ساتھ وہاں ہوں، اس ناچیز نے عرض کیا ان شاءاللہ جنوری میں ملاقات ہوگی اس پر سکوت اختیار فرمایا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم وبہار آخر شد

حضرت کے صاحبزادے جناب قاری مشتاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارا تعلق برابر قائم رہا، قاری صاحب سے ملاقات اور اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں ان کے ساتھ تعاون جس کی لمبی داستان ہے، جو آئندہ کسی مقالے میں آئے گی۔ اسی بناء پر حضرت والا کے پوتے اور قاری صاحب مرحوم کے صاحبزادے عزیزی مولوی امتیاز احمد سلمہ اور اس ادارے سے میرا تعلق قائم ودائم ہے اور اس ادارے کو میں اپنا زادِراہ سمجھتا ہوں اور انہوں نے بھی اس تعلق کو مجھ سے قائم رکھا ہے، اور ''عرفان محبت'' کے اس جدید ایڈیشن پر جو انہوں نے تیار کر کے شائع کیا ہے اس پر میں ان کو مبارک باد دیتا ہوں اور اس کے شائع کرنے پر جن لوگوں نے تعاون کیا ہے ان سب کے لئے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ یہ کارنامہ عزیز سلمہ کے لئے روحانی اور دنیاوی ترقی کا ذریعہ بنائے۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

جامعہ کے کتب خانے سے ❁❁❁ خطیب الرحمٰن ندوی

بعض اہم جدید مطبوعات

منهاج المحدثين وسبيل طالبيه المحققين

في

شرح صحيح أبي الحسين مسلم بن الحَجَّاج القُشَيْرِيِّ رحمه الله.

تأليف: الإمام العلامة مُحِيِّ الدين يحيٰ بن شَرَفٍ النواوِيِّ

ولادت: ۶۳۱ھ - وفات: ۶۷۶ھ

شیخ الاسلام علامہ محی الدین یحیٰ بن شرف نوویؒ کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: الإمام الأوحد القدوة شيخ الإسلام، عَلَمُ الأولياء، مُحِيُّ الدِّين أبو زكريا يحي بن شَرَفٍ المُرِّيُّ الحِزَامِيُّ الحَوْرَانِيُّ الشَّافِعِيُّ، صاحب التصانيف النافعة. (تذکرۃ الحفاظ: ج۴ص۱۴۷۰)

علامہ نوویؒ کی تالیفات میں المجموع شرح المہذب، روضۃ الطالبین، منہاج الطالبین، تہذیب الاسماء واللغات، ریاض الصالحین، الاذکار، المنہاج فی شرح صحیح مسلم، الاربعون النوویہ کو بہت شہرت ملی۔

"منهاج المحدثين وسبيل طالبيه المحققين" امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اہم تالیف ہے جو صحیح مسلم کی شرح ہے، امام نوویؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن تالیف، سہل نگاری اور تلخیص کتب کے ملکہ ومہارت سے نوازا تھا، زہد وتقویٰ اور اخلاق وکردار کی بلندی وپاکیزگی میں بھی وہ ممتاز ویگانہ تھے، اسی لیے ان کی تالیفات کو خوب شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، طلبہ وشائقین علم وفن نے ان سے خوب استفادہ کیا، شرح حدیث ہو، یا فقہی حکم کی دریافت ہو، یا کسی غریب ونامانوس کلمہ کی تشریح وتحقیق ہو، ان تمام

پہلوؤں سے امام محی الدین نوویؒ پر اعتماد کیا جاتا ہے، یہ شرح نووی ایک متوسط درجہ کی شرح ہے، نہ اس میں اطناب وتطویل ہے اور نہ ایسا اختصار وایجاز کہ کسی طرح کی تشنگی کا احساس ہو، صحیح مسلم کی یہ ایسی شرح ہے جس کا پورے عالم اسلام میں شہرہ ہوا، اور ہر دور میں اس سے فائدہ اٹھایا گیا، اس شرح میں علامہ مازری متوفی ۵۳۶ھ کی المعلم بفوائد مسلم اور قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ کی اکمال المعلم بفوائد مسلم کے علاوہ دوسری قدیم شرحوں کا عطر وجوہر کشید کیا گیا ہے، خود امام نوویؒ کا دعویٰ ہے کہ ''شرح میں توسط کی راہ اختیار کی ہے، اگر بسط وتفصیل کرتا تو یہ شرح سو جلدوں سے زیادہ پر مشتمل ہوتی''، ''**ولولا ضَعْفُ الهِمَمِ ..... لَبَسَطْتُهُ فَبَلَغْتُ بِهِ مَا يَزِيْدُ على مأةٍ من المُجَلَّدَاتِ**''. (مقدمۃ المصنف: ص۳۲۵)

بقول امام سخاویؒ یہ عظیم البرکت کتاب ہے، اس کا مشہور نام ''**المنهاج في شرح صحيح مسلم**'' ہے اور اس سے بھی زیادہ زبان زد خاص وعام نام ''صحیح مسلم بشرح النووی'' ہے، اس شرح کی تالیف میں گیارہ سال صرف ہوئے، اس کی تالیف کا آغاز رجب ۶۶۴ھ میں اور تکمیل اواخر جمادی الاولیٰ ۶۷۵ھ میں ہوئی۔

کتاب کا زیر تبصرہ نسخہ تیس سے زیادہ قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے، حالانکہ کتاب کے ۶۴ نسخے صاحب تحقیق کے پیش نظر تھے جن کی تفصیل مقدمۃ التحقیق میں موجود ہے، ان میں سے مطبوعہ نسخوں کے علاوہ ۳۴ قلمی نسخوں کو تحقیق ومقابلہ کے لیے منتخب کیا گیا، ان سب کی تفصیل اور ان کے اول وآخر صفحات کا عکسی فوٹو بھی مقدمہ میں موجود ہے، اس سے محقق کی محنت وکاوش اور خوب سے خوب تر کے حصول کی انتہائی کوشش کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، **فجزاه الله خير الجزاء**۔

اس طرح یہ جدید نسخہ محقق اور خوبصورت قالب میں پہلی مرتبہ طبع ہوا ہے، اس موجودہ نسخہ پر دکتور بشار عواد معروف، دکتور ابراہیم اللاحم، شیخ عبداللہ سعد اور شیخ مشہور آل سلمان کے قلم سے مقدمے اور تقریظیں ہیں، اور اس کی تحقیق وتعلیق دکتور شیخ مازن بن محمد سرساوی نے کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کردیا ہے، دار المنہاج القویم شام سے پندرہ جلدوں میں (۸۰۴۸) صفحات پر مشتمل طبع ہوئی ہے۔

کتابوں کی باتیں

خطیب الرحمٰن ندوی

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: **سیدالمحدثین امیرالمؤمنین فی الحدیث اورصحیح بخاری کی خصوصیات**

تالیف: مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری صفحات: ۲۷۲ قیمت: ۲۵۰/روپئے

ناشر: جمعیۃ المعارف الاسلامیہ، ٹیگور مارگ، نزد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

امام بخاریؒ اور اُن کی مقبول ترین تالیف اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی ''صحیح بخاری'' پر اتنے پہلوؤں سے لکھا گیا کہ اب اس پر اضافہ کرنا کچھ آسان نہیں، لیکن علم اور معلومات کا سلسلہ بھی کہاں رُکتا ہے، اس طرح کی علمی مفید کوششوں میں ''سیدالمحدثین امیرالمؤمنین فی الحدیث اورصحیح بخاری کی خصوصیات'' ہے، جس کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز اور بڑے استاذ حدیث حضرت مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازیپوری زید مجدہٗ نے مرتب کیا ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر تین ابواب پر مشتمل ہے، باب اول سیرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، باب دوم خصوصیات وامتیازات، باب سوم تخریجات مع تدریبات۔

باب اول ۸۰ صفحات میں پھیلا ہوا ہے، اس باب میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مفصل ذکر کیے گئے ہیں، اور جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ اس قدر پختہ اور مضبوط بنیادوں پر ہے کہ اس کے اوپر اعتماد کرنے میں ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، مولانا نے اس باب کو سیر اعلام النبلاء اور طبقات الشافعیہ جیسے عظیم ماخذوں اور حوالوں سے مزین کیا ہے، کتب حدیث بالخصوص صحیح بخاری کے علوئے مرتبت کے اظہار کے لیے جن اہل علم کی معلومات کا سہارا لیا ہے، اس سے یقیناً کتاب کی علمی شان واہمیت میں دوچند اضافہ ہوجاتا ہے۔

باب دوم: صحیح بخاری کی خصوصیات وامتیازات پر مشتمل ہے، بخاری شریف کے امتیازات وخصائص، صحیح بخاری میں احادیث کوذکر کرنے کے شرائط، ترجمۃ الباب سے متعلق مختلف جہتوں سے بحث، عادات بخاری، تعلیقات بخاری، اصول تفسیر واصول فقہ سے متعلق سیر حاصل گفتگواس دوسرے باب میں نہایت عالمانہ انداز سے کی گئی ہے، یہ دوسراباب، باب اول کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی مفصل اور زیادہ صفحات پر محیط ہے، اہل علم اور شائقین حدیث کے لیےاس باب میں بھی وسیع معلومات پیش کی گئی ہیں۔

تیسرے باب کا عنوان ہے: تخریجات مع تدریبات، اس باب میں سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے منقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذکر کیا گیا ہے: ''**من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين وإنما أنا قاسم والله يعطي، ولا تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي أمر الله**''. اس حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ یہ حدیث کن کن کتب حدیث میں مذکور ہے، اس حدیث کے راوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات، پھر سلسلۂ سند کے تمام راویان، تشریح حدیث، تفقہ فی الدین کی اہمیت وعظمت پر گفتگو کی گئی ہے، اس طرح بخاری شریف کی دس حدیثوں کا انتخاب کرکے اسی نوع سے کلام کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اہل علم اور حدیث سے اشتغال رکھنے والے طلبہ کے لیے یکساں مفید ہے۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت جامع وقیمتی مقدمہ زینت کتاب ہے، ان کے علاوہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی کی تقریظات وتاثرات نے بھی کتاب کی شان کو دوبالا کیا ہے، جمعیۃ المعارف الاسلامیہ ٹیگور مارگ، نزد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے اس کی نشر واشاعت عمل میں آئی ہے۔

اخبار جامعہ

حضرت مرشدالامت کا سانحۂ وفات: ۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳؍اپریل ۲۰۲۳ء بروز جمعرات ساڑھے تین بجے دن میں حضرت مرشدالامت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اس دنیائے فانی سے آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے، جامعہ کے بانی وسرپرست وناظم اعلیٰ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم کی ہدایت کے مطابق اساتذۂ جامعہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی پہنچ کر اُن کے جنازہ وتدفین میں شرکت کی، یہ سانحہ اتنا عظیم تھا کہ خلقت کا ہجوم امڈ پڑا اور حضرتؒ کی بستی تکیہ کلاں میں ہر طرف انسانوں کا سیلاب ہی نظر آتا تھا، حضرتؒ کی ایک نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تراویح کی نماز کے بعد حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے پڑھائی، اور دوسری نماز جنازہ اگلی صبح آٹھ بجے تکیہ پر ہوئی، یہ دوسری نماز مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی زید مجدہ ناظم ندوۃ العلماء نے پڑھائی، جامعہ کے اساتذہ کی اعظم گڑھ واپسی تدفین کے بعد دس بجے ہوئی۔

نیا تعلیمی سال: ۱۰؍شوال ۱۴۴۴ھ مطابق یکم مئی ۲۰۲۳ء بروز دوشنبہ جامعہ کھلنے کا پہلا دن تھا، اساتذہ ۹؍شوال کی شام کو جامعہ پہنچ آئے، اگلے روز سے داخلہ کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس سال طلبہ کی مجموعی تعداد ساڑھے سات سو تک پہنچی ہے، الحمدللہ تعلیم کا آغاز بھی ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ اس سال کو خوب مبارک ومفید بنائے، آمین۔

حضرت بانی محترم وناظم جامعہ کی ہندوستان تشریف آوری: جامعہ کے بانی وناظم اعلیٰ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم ۱۱؍شوال منگل کی شب میں جامعہ تشریف لائے اور مختصر قیام کے بعد ۶، ۷؍مئی ۲۰۲۳ء بروز سنیچر واتوار دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس نظامت وانتظامیہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور دونوں کے اجتماعات میں شرکت فرما کر جامعہ اسلامیہ واپسی فرمائی اور جامعہ کے منتظمین ومدرسین اور طلبہ کو ضروری

ہدایات دیں اور مختصر قیام فرما کر ۱۸؍شوال کو ابوظبی تشریف لے گئے، حضرت مولانا کے ہمراہ جناب ڈاکٹر فرید الدین ندوی صاحب تھے۔

جامعہ اسلامیہ میں آن لائن درس بخاری: حضرت بانیٔ جامعہ وناظم اعلیٰ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم سال کے آغاز واختتام کے موقع پر بخاری شریف کا درس اہتمام سے دیتے آئے ہیں، اس درس بخاری میں امام بخاری اور صحیح بخاری کے مقام ومرتبہ کے ذکر کے ساتھ آپ طلبہ واساتذہ کو تعلیم وتربیت کا وعظ ونصیحت بھی فرماتے ہیں، چنانچہ امسال ۲۹؍شوال مطابق ۲۰؍مئی کو دارالحدیث الشریف کے وسیع کانفرنس ہال میں آن لائن نظام کے تحت بخاری شریف کا درس دیا، یہ درس تقریباً ۴۵؍منٹ تک ہوا، جس میں انہوں نے حسب معمول اپنی اسانید کو بیان کیا، پھر کتاب الوحی کی حدیث پڑھ کر اس پر گفتگو فرمائی، طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ وہ تعلیم میں مکمل انہماک پیدا کریں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مدظلہ العالی کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے، تاکہ آپ کے فیوض وبرکات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

النادی العربی وجمعیۃ الاصلاح کا افتتاحی جلسہ: ۲؍ذی قعدہ مطابق ۲۳؍مئی بعد نماز مغرب ''النادی العربی'' و''جمعیۃ الاصلاح'' کا افتتاحی جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت جناب مولانا ابوظفر عباسی ندوی صاحب نے فرمائی، اس جلسہ میں تلاوت قرآن کریم ونعت پاک کے بعد طلبہ کی انجمنوں کے منتخب ذمہ داروں کے ناموں کا اعلان کیا گیا اور صدر جلسہ کی مختصر تقریر پر جلسہ کا اختتام کیا گیا۔

جامعۃ الہدایہ جے پور میں درس بخاری: ۲۵؍مئی ۲۰۲۳ء جمعرات کو حضرت مولانا مدظلہ العالی نے جامعۃ الہدایہ جے پور کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب کی دعوت پر آن لائن درس بخاری کا افتتاح فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ وہاں کے دارالافتاء سے فارغ ہونے والے ستر (۷۰) طلبہ کو مبارک باد کی اور انہیں گراں قدر نصیحت سے نوازا۔

قاسمیہ یونیورسیٹی شارقہ میں محاضرہ: ۳۰؍مئی ۲۰۲۳ء کو حضرت مولانا مدظلہ العالی نے قاسمیہ یونیورسٹی شارقہ کے ڈائرکٹر کی دعوت پر ''الجامع الصحیح للبخاري ومزایاہ'' اور اجازت حدیث حدیث کے عنوان پر تقریباً ۴۰ منٹ عربی زبان میں لیکچر دیا، جس میں وہاں کے تمام طلبہ واساتذہ اور دکاترہ نے شرکت کی، ان کے ہمراہ ڈاکٹر فرید الدین ندوی بھی تھے، اللہ تعالیٰ حضرت بانی جامعہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

فہرست مطبوعات مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی

نمبر شمار	اسمائے کتب	جلد
۱	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین (حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۳ر جلد
۲	الحل المفهم لمشكلات صحيح مسلم (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۲ر جلد
۳	رسائل الأركان (زیر نگرانی: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱ر جلد
۴	خصائل نبویؐ شرح شمائل نبوی (اردو) (تحقیق وتعلیق: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱ر جلد
۵	محدثین عظام (حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱ر جلد
۶	امام بخاری حیات وکارنامے (حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱ر جلد
۷	صحبتے با اولیاء (حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱ر جلد
۸	امام مالک اور ان کی کتاب مؤطا کا مقام (تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی) (ترجمہ: مولانا فیروز اختر ندوی)	۱ر جلد
۹	ذکر زکریا (ترتیب: مولانا فیروز اختر ندوی)	۱ر جلد
۱۰	ہندوستان اور علم حدیث تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں (ترتیب: مولانا فیروز اختر ندوی)	۱ر جلد
۱۱	علامہ عبدالحئی لکھنوی حیات وخدمات (ڈاکٹر ولی الدین ندوی، ترجمہ: مولانا محمد رافع ندوی)	۱ر جلد
۱۲	داستاں میری (تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۲ر جلد
۱۳	تعلیم اور ترقی کے ۲۸ر سال جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ (مولانا محمد رافع ندوی)	۱ر جلد
۱۴	تذکرۂ رفتگاں (تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی)	۱ر جلد
۱۵	مکتوبات اکابر (ڈاکٹر فرید الدین ندوی)	۱ر جلد

مندرجہ بالا کتابیں حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں۔ واٹس ایپ نمبر: 8795565555

موبائل: 9450876465, 9532829745

RNI UP/URD/2001/6019
Postal Regd, AZM/NP/28/2020-2022

Zakaria Book Depot
A/c No.: 36723697140
IFS Code: SBIN0014131
SBI Muzaffarpur Gaon Azamgarh

AL-SHARIQ URDU

JAMIA ISLAMIA

Muzaffarpur, Azamgarh, Pin: 276302 U.P. (India)

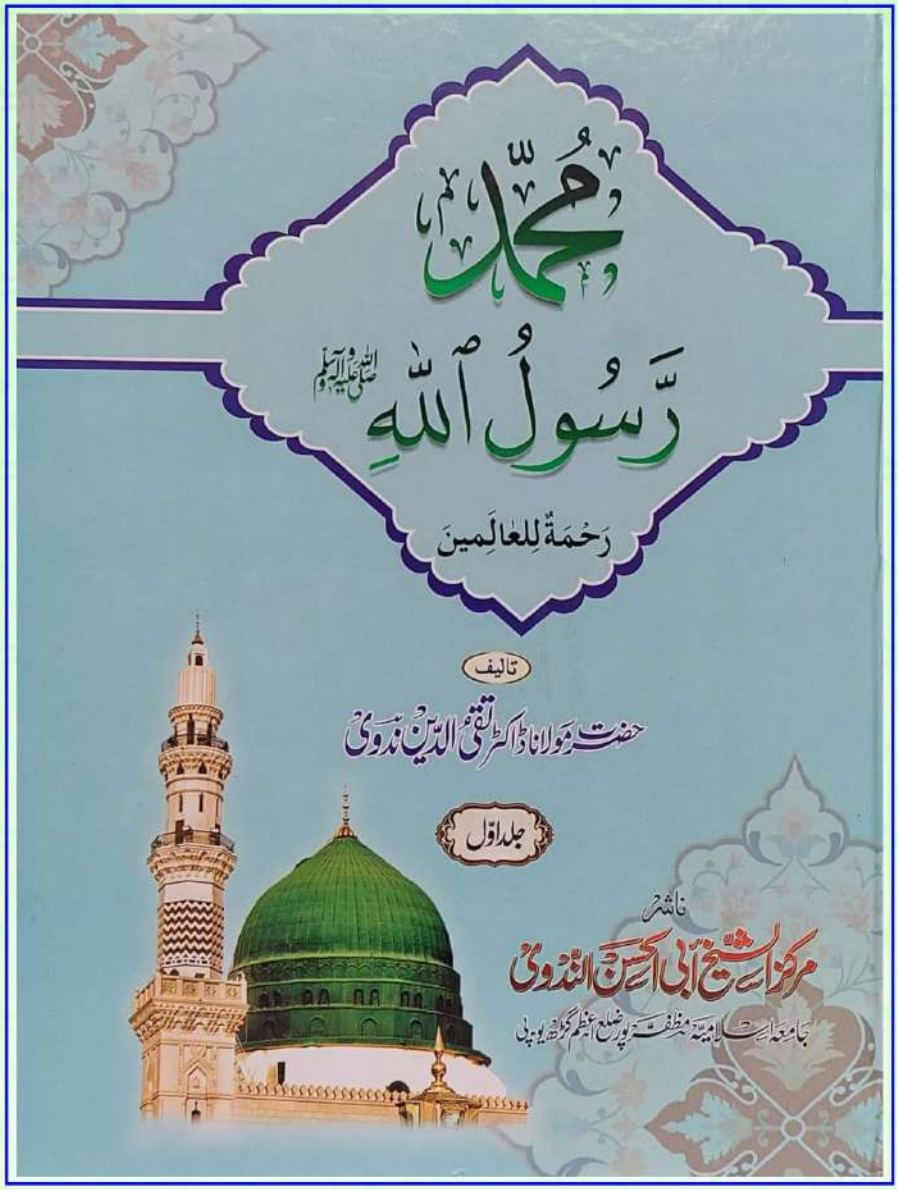

ISSUED BY

Publisher & Printer: Dr. Waliuddin Nadwi
Office Number: 8542945498
E-mail: khaliliasociety@gmail.com